ماهنامه

صراطِ مستقیم

برمنگھم

December 2022





وَمَنْ يَعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ

صراطِ مستقیم برمنگھم

بیاد

مولانا فضل کریم عاصم رحمہ اللہ

مولانا محمود احمد میر پوری رحمہ اللہ

Vol: 43 No. 02 December 2022

Jumada al-Awwal /Jumada al-Thani 1444 AH

جلد: 43 شمارہ: 02 نومبر 2022ء

جمادی الاول/جمادی الثانی 1444ھ

فہرست مضامین

Correspondence Address:

SIRAT-E-MUSTAQEEM

20 Green Lane, Small Heath,

Birmingham B9 5DB

Tel: 0121 773 0019

Fax: 0121 766 8779

ناشر: مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ

Markazi Jamiat Ahl-e-Hadith UK

www.mjah.org.uk/siratemustaqeem

E-mail: info@mjah.org.uk

(نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں)



اس ماہ رشی سناک نے برطانیہ کے وزیر اعظم کی ذمہ داریاں سنبھال لیں، یو کے کی طویل جمہوری تاریخ کے پہلے انڈین نژاد کم عمر 42 سالہ رشی کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جن کے والدین طلب روز گار کے سلسلہ میں افریقی ممالک گئے تھے، وہاں انہوں نے محنت سے روز گار حاصل کرتے ہوئے مناسب ترقی کی، لیکن بتدریج ان ممالک کے حالات بدلتے گئے، سیاہ فارم مقامی لوگوں نے غیر ملکیوں کے لیے مشکلات پیدا کر دیں، چونکہ ان علاقوں کا برطانوی سامراج کے ساتھ تعلق تھا، لہٰذا ان متاثرین کو برطانیہ میں پناہ دی گئی، اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کینیا، یوگنڈا وغیرہ سے بڑی تعداد میں لوگوں نے نقل مکانی کر کے یہاں پناہ لی، ان نو واردوں میں رشی کی فیملی بھی تھی، ان کے والدین تعلیم یافتہ تھے، باپ ڈاکٹر اور ماں فارمیسسٹ تھیں، اپنے بیٹے رشی جن کی پیدائش جنوبی انگلینڈ میں ہوئی، ان کی تعلیم پر مناسب توجہ دی، انہوں نے مشہور یونیورسٹی آکسفورڈ سے گریجویشن مکمل کی اور اسٹانڈ فورڈ یونیورسٹی سے ایم بی اے کیا، قسمت نے یاوری کی، ترقی کے منازل تیزی سے طئے کرتے ہوئے وزیر خزانہ بن گئے۔ سیاست میں خصوصاً یہ کہاوت مشہور ہے کہ یہاں بروقت درست فیصلہ کی اہمیت ہوتی ہے، کورونا وائرس کے زمانہ میں جب دنیا کا پہیہ جام ہو گیا تھا، ہر طرف معاشی بحران کی شکایت عام تھی، اس دوران لوگوں کی نظریں اسی وزارت پر مرکوز تھیں، انہوں نے اپنی ٹیم کے ساتھ عوام کی سہولت کے لیے مختلف اسکیمیں متعارف کرواتے ہوئے ان کی راحت کا انتظام کیا۔ یہاں کے تاجر، ملازم اور مزدور ان کے بروقت مستحسن اقدامات کے معترف دکھائی دیے اور جب موقع آیا تو ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں ملک کی اعلیٰ ترین وزارت کی کرسی پر براجمان کر دیا۔

ان کے وزیر اعظم بننے کی خبر کے ساتھ ہی انڈیا میں جشن منایا گیا، دیوالی کی عام تقریبات میں تیزی آ گئی، ان کے لیے مزید پٹاخے اور چراغاں روشن کیے گئے۔ اس لیے کہ ان کے والدین کا تعلق انڈیا ہی سے تھا، ان کی اہلیہ بھی انڈین ہیں، لہٰذا اس خوشی اور جشن کا اہل ہند کو حق پہنچتا ہے کہ برطانیہ جیسے ترقی یافتہ ملک میں پردیسی والدین کا بیٹا اس اعلیٰ عہدہ پر متمکن ہوا، لیکن ساتھ ہی یہ جشن کئی سوالات بھی کھڑا کر دیا کہ اگر برطلانیہ میں غیر ملکی والدین کی اولاد کے لیے ترقی کے یہ مواقع ہیں تو خود انڈیا میں نسل در نسل آنے والے مسلمانوں کے لیے بھی اس کا امکان ہے کہ وہ دیگر مقامی لوگوں کی طرح باعزت زندگی گذاریں، یا اب بھی اقلیتوں کو خصوصاً مسلمانوں کو جن کی کئی نسلیں وہیں پیدا ہوئیں لیکن اب بھی انہیں ملک کے ساتھ وفاداری کا ثبوت دینا ہوتا ہے، حتیٰ کہ وہ لوگ جن کے باپ دادا نے جنگ آزادی میں ہراول دستہ کا کام کیا، ان کی اولاد ابھی تک مشق و ستم کا نشانہ بن رہی ہے، کیا رشی کے وزیر اعظم بننے کا جشن انہیں زیب دیتا ہے جنہوں نے سونیا گاندھی کے خلاف جب امکان ہو چلا تھا کہ وہ وزارت عظمیٰ کا منصب سنبھالیں گی تو ان کی سابقہ اطالوی شہریت پر اتنے اعتراضات اٹھا دیے کہ کوئی اپنا سر منڈوانا چاہتا تھا جیسے سشما سوراج نے کہا تھا جو بعد میں اسی ملک کی وزیر خارجہ بنیں اور کسی نے کوئی اور دھمکی دی۔ بالآخر سونیا کو از خود پیچھے ہو کر اپنی پارٹی کے دوسرے رہنما منموہن سنگھ کو اس عہدہ کے لیے نامزد کرنا پڑا، ویسے عویٰ تو وہاں بھی جمہویت اور مساوات کا ہی ہے۔

میں یہاں مشہور صحافی کرن تھاپر (Karan Thapar) کے مضمون کا اقتباس نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں جو ہندوستان ٹائمز کی 29 اکتوبر 2022ء کی اشاعت میں شائع ہوا، انہوں نے رشی کے برطانیہ میں وزیر اعظم بننے کا انڈیا میں جشن منانے والوں سے کچھ سوالات کیے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ انڈیا برطانوی واقعہ سے سبق سیکھے۔

برطانیہ کی مجموعی آبادی میں انڈین صرف دو اعشاریہ تین فی صد ہیں یہ کسی بھی آبادی میں بہت ہی معمولی سی اقلیت ہے، لیکن اس کے باوجود یو کے کی حکمران پارٹی کنزرویٹو نے اسی اقلیت کے ایک فرزند کو اتنے بڑے اعزاز سے نوازا، حالانکہ اس ملک سے ان کا تعلق زیادہ قدیم بھی نہیں۔ یہ تو وہ لوگ ہیں جن کے والدین ساٹھ کی دہائی میں برطانیہ آ کر آباد ہوئے۔ اس اعلیٰ منصب پر کسی انڈین نژاد کا جلوہ افروز ہونا جہاں اس بات کا اعتراف ہے کہ یہ بات برطانیہ میں تو ممکن ہے لیکن وہیں یہ اعلان بھی ہے کہ ایسا ہمارے ملک انڈیا میں ناممکن ہے، برطانیہ میں بہت سی اقلیتوں اور پس منظر سے تعلق رکھنے والے اعلیٰ مناصب پر دکھائی دیتے ہیں، برسر اقتدار پارٹی کے 300 پارلیمانی ممبران میں سے تقریباً 200 نے رشی کی تائید کر کے اپنی وسعت ظرفی کا مظاہرہ کیا، اس مناسبت سے ہم اپنے ملک انڈیا کی صورتحال کا جائزہ بھی لے لیتے ہیں۔ جہاں تقریباً 15 فیصد مسلم آبادی ہے، اس لحاظ سے پارلیمنٹ میں مسلم ممبران کی تعداد 74 ہونی چاہیے لیکن اس وقت صرف 27 مسلم ایم پی ہیں ملک کی 28 ریاستوں میں ایک بھی چیف منسٹر مسلمان نہیں بلکہ 15 ریاستوں میں ایک مسلم وزیر

تک نہیں اور 10 ریاستوں میں صرف ایک ، ایک مسلم وزیر ہے۔ بھارت کی سب سے بڑی حکمران پارٹی بی جے پی کی طرف سے اترپردیش جہاں مسلم آبادی 20 فیصد ہے وہاں کی مقننہ میں اس پارٹی کی طرف سے ایک بھی مسلم ممبر نہیں اور گجرات کی 9 فیصد مسلم آبادی میں گزشتہ 24 سال میں ایک بھی ریاستی اسمبلی یا پارلیمنٹ میں مسلم ممبر نہیں۔ یہ اعداد وشمار میں نے آکر پٹیل کی کتاب ہماری ہندو حکومت Our Hindu Rashtra سے نقل کیے ہیں۔ اس کتاب میں مزید دلخراش حقائق کا ذکر کیا گیا۔ مزید کہتے ہیں:

اگرچہ کہ انڈیا میں مسلم آبادی کا تناسب 15 فیصد ہے، لیکن ریاستی اور مرکزی سرکاری اداروں میں اس طبقہ کے ملازمین 4اعشاریہ 9 فیصد ہیں، پیرا ملٹری شعبوں میں 3 اعشاریہ 2 فیصد، فوج میں 1 فیصد، یہ اعداد وشمار ہم سب کے لیے باعث شرمندگی ہیں۔ پھر مقالہ نگار کرن نے برطانوی میڈیا میں موجود غیر ملکی چہروں کے ناموں کا ذکر کیا ہے کہ بی بی سی وغیرہ میں ان کی تعداد اور مناصب نہایت قابل قدر ہیں، اور انہوں نے سوال دہرایا کہ میں نے کیوں انڈین کو مشورہ دیا کہ برطانیہ سے سبق سیکھیں۔ انڈیا میں تقریباً 20 کروڑ مسلمان ہیں لیکن کئی مقامات پر ان کی نمائندگی دکھائی تک نہیں دیتی، ہم انہیں ابھی تک بابر کی اولاد ہی کہتے ہیں اور طرح طرح کے خطابات سے نوازتے ہیں، بعض تو یہ مشورہ دینے سے تک گریز نہیں کرتے کہ یا پاکستان یا قبرستان، لہٰذا جب ہم ایک ہندو مذہب کے پیروکار رشی کے برطانیہ میں وزیر اعظم بننے پر خوشی محسوس کر رہے ہیں وہیں یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہیں کہ کیا یہ ممکن ہے کہ کبھی انڈیا کا وزیر اعظم کوئی مسلمان بن سکے گا؟! از مضمون کرن تھاپر ہندوستان ٹائمز 29 اکتوبر 2022ء

یاد رہے کہ اس وقت شہر لندن کے مرکزی لارڈ میئر ایک مسلمان محمد صدیق خاں ہیں جو ایک بس ڈرائیو کے بیٹے ہیں، ان کے والد تلاش معاش میں پاکستان سے یہاں آئے، لندن میں بس چلایا کرتے تھے، بیٹے کو تعلیم سے ہمکنار کر کے اس قابل بنایا کہ وہ وسطی لندن کے سفید فام باشندوں کو پیچھے چھوڑتے ہوئے نامی گرامی صاحب ثروت امیدواروں کو شکست دے کر منتخب ہوئے، ان کے علاوہ مختلف شہروں میں مسلم چہرے نمایاں ہیں، ان ممتاز چہروں میں ایک باریش نوجوان اس اعتبار سے قابل ذکر ہے کہ ملکہ برطانیہ کی جنازہ کی تقریب میں جسے دنیا کے 2 ارب سے زیادہ لوگ دیکھ رہے تھے یہ بات بھی دلچسپی اور بعض لوگوں کے لیے حیرانگی کا سبب بنی کہ مرکزی چرچ میں ایک باریش نوجوان کو مکمل احترام کے ساتھ پہلی صف میں کنگ چارلس کے قریب بٹھایا گیا، یہ کون تھا جسے کم عمری، دین پسندی کے باوجود اس رتبہ بلند سے نوازا گیا۔ یہ دراصل لندن کے اس مخصوص علاقہ ویسٹ منسٹر کا منتخب لارڈ میئر حمزہ ہے جو 23 برس کی عمر میں اس اہم ترین علاقہ کا میئر منتخب ہوا۔ یہ ایک عرب مراکشی باپ کا بیٹا ہے، برطانوی پارلیمنٹ اور قصر شاہی اسی علاقہ میں واقع ہیں، پروٹوکول کے مطابق وہاں کے لارڈ میئر کے لیے یہ اعزاز ہے، اس دین پسند نوجوان کو حاصل ہونے والے رتبہ اور اعزاز کے ہی پیش نظر بی بی سی نے ان کا خصوصی انٹرویو نشر کیا تھا، گویا غیر ملکی افراد کی اولاد کے لیے برطانیہ میں کچھ مشکلات کے باوجود ترقی کے مواقع موجود ہیں جبکہ ہمارے ملکوں ہندوپاک میں علاقہ کی چھوٹی سی سیاسی پارٹی کی قیادت کے لیے رنگ ونسل اور مذہب وملت کی جکڑ بندیاں ہیں، بیشتر سیاسی پارٹیوں میں خود جمہوریت کی ہوا تک نہیں، کوئی کارکن اگر صلاحیت کی بنیاد پر کچھ آگے بڑھتا دکھائی دے تو خود پارٹی کی قیادت اس کی ٹانگیں کھینچ دیتی ہے وہ نہیں چاہتی کہ ان کی پارٹی میں کوئی دوسرا چہرہ بھی نمایاں ہو اور بعض سیاسی پارٹیوں کی قیادت بھی وصیت کی بنیاد پر تفویض کی جاتی ہے کہ ماں کے مرنے کے بعد ان کے بیٹے کو قیادت سونپ دی جائے، پھر اس نوعمر نوجوان کے پیچھے پارٹی میں موجود عمر رسیدہ، تجربہ کار ممبران بھی دست بستہ چلتے دکھائی دیتے ہیں، کیونکہ یہاں پارٹی میں مقام ومرتبہ صلاحیت اور تجربہ کی بنیاد پر نہیں بلکہ ان خاندانی افراد کے ساتھ وفاداری اور جی حضوری کے صلہ میں تقسیم ہوتا ہے یا کبھی پارٹی قیادت کے لیے ایسی خواتین کو مسلط کیا گیا جن کی زندگیاں ناز ونعم میں گذریں کہ وہ سیاست کی خاردار راہداریوں میں آبلہ پائی کے متحمل ہو ہی نہیں سکتیں مگر ان نازک اندام مخملیں خواتین کے پیچھے پیچھے دینی، سیاسی اور سماجی بزرگوں کو بھی صف بستہ چلتے دیکھا جا سکتا ہے کہ ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم وہ جانتے ہیں کہ یہاں دین، اصول نظریات سب شخصیات کے تابع ہوتے ہیں۔ بڑے بڑے نامی گرامی اور دینی رہنما بھی اس میدان سیاست میں نظریہ ضرورت کا فلسفہ گھڑ کر لڑکھڑاتے دکھائی دینے لگے۔

جو لوگ برطانیہ میں جمہوری اقدار کی مثالیں دیتے ہیں اور کچھ لیڈر تو یہیں سے بڑھ کر اپنے ملکوں کی سیاست میں سرگرم ہوئے، لیکن ان میں بیشتر خود اپنے ملک یا علاقہ یا پارٹی میں جمہوریت کی ہوا تک نہیں لگنے دیتے، بلکہ خالص دینی جماعتوں اور تنظیموں میں بھی لسانی اور علاقائی تعصب کی بدترین مثالیں دیکھی جا سکتی ہیں۔

عرب ممالک کا حال اس سے کہیں زیادہ ناگفتہ بہ ہے، برطانیہ میں پردیسی والدین کا بیٹا 42 سال کی عمر میں وزارت عظمٰی کے منصب جلیلہ تک پہنچ سکتا ہے لیکن وہاں 50 سال سے ملازمت کرنے والوں کو مستقل اقامہ یعنی رہائش کا اجازت نامہ بھی نہیں مل سکتا، یہاں ان کی اولاد کے لیے پارلیمنٹ کے دروازے بھی کھلے ہوئے ہیں اور وہاں ان اجنبیوں کے بچوں کے لیے سرکاری مدارس کے دروازے تک بند ہیں، الاماشاءاللہ

یہاں صلاحیت کے بغیر ترقی کے راستے مسدود وہاں سفارش اور واسطہ کے بغیر آگے بڑھنا محال، کتنا ہے فرق ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک کے درمیان۔



پہلا خطبہ

ہر طرح کی حمد وثنا اللہ ہی کے لیے ہے، جس کی ہم معافی چاہتے ہیں، جس کے عذاب سے ڈرتے ہیں، جس کی عطا مانگتے ہیں اور جس کی مدد کی امید رکھتے ہیں۔ میں اللہ کی ویسی حمد وثنا بیان کرتا ہوں جیسے نعمتوں کے شکر گزار بندے کرتے ہیں، جو اس کی مزید نعمتوں کے طالب ہوتے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ

اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں، وہ واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ بہت بلند ہے۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ اللہ کے بندے اور چنیدہ رسول ہیں۔ اللہ کی رحمتیں ہوں آپ ﷺ پر، آپ ﷺ کی آل پر، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اور ان کا ساتھ چاہنے والوں پر بہت سلامتی نازل ہو۔

بعد ازاں! اللہ کے بندو! پرہیز گاری اختیار کرو، کیونکہ پرہیز گاری کی نصیحت اللہ تعالیٰ نے اولین وآخرین کو کی ہے۔ فرمایا:

﴿وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنِ اتَّقُوا اللَّهَ﴾

”تم سے پہلے جن کو ہم نے کتاب دی تھی انہیں بھی یہی ہدایت کی تھی اور اب تم کو بھی یہی ہدایت کرتے ہیں کہ اللہ سے ڈرتے ہوئے کام کرو۔“ (النساء:131)

اے مسلمانو! مسلمان کو کسی وقت بھی یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ شیطان اس کا دشمن ہے، جو نہ کبھی تھکتا ہے اور نہ بندوں کے ساتھ جنگ میں کمی کرتا ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا﴾(سورہ فاطر:6)

”در حقیقت شیطان تمہارا دشمن ہے اس لیے تم بھی اسے اپنا دشمن ہی سمجھو۔“

وہ ہماری دشمنی میں کوئی کسر نہیں اٹھائے رکھتا۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم بھی اس کے مقابلے میں کوئی کسر نہ چھوڑیں، اللہ کا ذکر کر کے اپنے نفس کو اس سے آزاد کرائیں اور ان لوگوں جیسے نہ بنیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنْسَاهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ أُولَئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ﴾ (سورۃ المجادلہ:19)

”شیطان اُن پر مسلط ہو چکا ہے اور اُس نے اللہ کی یاد اُن کے دل سے بھلا دی ہے وہ شیطان کی پارٹی کے لوگ ہیں خبردار ہو، شیطان کی پارٹی والے ہی خسارے میں رہنے والے ہیں۔“

اس حوالے سے کچھ چیزیں بہت سے لوگوں سے مخفی رہتی ہیں، مگر وہ شیطان کی بد ترین چالیں ہیں اور مکاری کا حصہ ہیں۔ شیطان اس بات پر اکتفا نہیں کرتا کہ انسان سے گناہ کرا لے، بلکہ وہ اس سے واجبات بھی چھڑانے کی کوشش کرتا ہے۔ جب انسان گناہ کرتا ہے، تو ممکن ہے کہ گناہ کی وجہ سے توبہ سے اور اپنی اصلاح کرنے سے مایوس ہو جائے، جب وہ مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے تو سارے گناہ کرتا چلا جاتا ہے اور دل ہی دل میں یہ سوچ لیتا ہے کہ چونکہ وہ اپنے نفس پر بہت ظلم کر رہا ہے اور حد سے گزر چکا ہے، اس لیے اس کی کوئی توبہ نہیں، پھر وہ فرائض کی ادائیگی سے پیچھے ہٹ جاتا ہے اور واجبات ترک کرنے لگتا ہے، کیونکہ وہ سمجھ لیتا ہے کہ اس جیسے گناہ گار کے لیے مناسب نہیں کہ وہ نمازیں پڑھے یا روزے رکھے، نیکی کا حکم دے یا برائی سے روکے یا نیکی کرے۔ تو دیکھیے! شیطان اسے کیسے گمراہ کرتا ہے، کیسے اسے دین کے احکام ترک کرنے پر اکساتا ہے!

ایسی حالت تک وہی شخص پہنچتا ہے جو گناہ گار کے لیے ارشاداتِ الٰہی سے ناواقف، یا غافل ہوتا ہے، کہ اسے توبہ کرنی چاہیے، معافی مانگنی چاہیے اور نماز پڑھنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ذَلِكَ ذِكْرَى لِلذَّاكِرِينَ﴾(سورہ ھود:114)

”نماز قائم کرو دن کے دونوں سروں پر اور کچھ رات گزرنے پر در حقیقت نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں، یہ ایک یاد دہانی ہے ان لوگوں کے لیے جو اللہ کو یاد رکھنے والے ہیں۔“

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَوْ لَمْ تُذْنِبُوا لَذَهَبَ اللَّهُ بِكُمْ، وَلَجَاءَ بِقَوْمٍ يُذْنِبُونَ، فَيَسْتَغْفِرُونَ اللَّهَ، فَيَغْفِرُ لهم.»

”اس ہستی کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تم گناہ نہ کرو، تو اللہ تمہیں ختم کر دے اور ایسے لوگ پیدا کرے جو گناہ کریں، پھر معافی مانگیں اور پھر وہ انہیں معاف فرمائے۔“

تو اے اللہ کے بندے! جب بھی شیطان تم سے کوئی گناہ کرانے میں کامیاب ہو، جب بھی وہ تمہارا قدم پھسلائے، تو رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان پر عمل

کرنا:

«وَأَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا»

"گناہ کے بعد نیکی کرو، تاکہ وہ اسے مٹا دے۔"

اگر توبہ کے بعد تم پھر سے گناہ میں مبتلا ہو جاؤں تو پھر اسی دوا کے ذریعے اپنا علاج کرو، ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہیں دو مرتبہ ہرا دے، ایک مرتبہ گناہ کرا کر، اور دوسری مرتبہ نیکی چھڑا کر۔

پوری کوشش کرو کہ تمہاری نیکیاں ہمیشہ جاری رہنے والی ہوں، کسی گناہ یا غلطی کی وجہ سے ان میں کوئی کمی نہ آئے۔ تمہارا نفس جتنا بھی بوجھل ہو جائے، بہر حال، تمہیں روز مرہ کی نیکیاں ترک نہیں کرنی چاہیں، جیسے تلاوت، نماز، ذکر اور دعا، جو کہ ایمان کا سامان ہیں اور ایک مضبوط قلعہ ہے۔ تو مثال کے طور پر اگر آپ نماز با جماعت کی پابندی کرنے کی کوشش کرتے ہیں، روزانہ قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں اور اذکار پڑھتے ہیں، لیکن کسی دن آپ سے کوئی گناہ ہو جاتا ہے، تو اس گناہ کی وجہ سے آپ اپنے روز مرہ کے نیک کام کبھی نہ چھوڑنا، بد سے بد تر ہونے سے بچو۔ جب گناہ پردے میں ہو تو اسے ظاہر نہ کرو، گناہ پر ندامت ہو تو ہٹ دھرمی کی طرف نہ جاؤ، چھوٹے گناہوں سے بڑے گناہوں کا رخ نہ کرو۔ اگر بڑے گناہ کے مرتکب ہو گئے ہو تو اس شخص کا طریقہ نہ اپناؤ جو کسی جھجک کے بغیر ہر گناہ میں کود پڑتا ہے۔ اللہ ہمیں اور آپ کو محفوظ رکھے۔

اے خطاکار! ہم سب خطاکار ہیں۔ اس شخص جیسے نہ بنو جنہیں شیطان نے باندھ رکھا ہے اور جسے خیر وبھلائی سے روک رکھا ہے، جس کے گناہوں نے اسے اپنی اصلاح اور غلطیوں کی تلافی سے روک رکھا ہے۔ کچھ لوگوں کو جب کسی گناہ سے روکا جاتا ہے تو اکڑ جاتے ہیں، یہ سوچ کر نصیحت کو پس پشت ڈال دیتا ہے کہ نصیحت کرنے والا اس کے بڑے بڑے گناہوں کو نہیں جانتا، وہ صرف یہی گناہ نہیں کر رہا۔ حالانکہ یہ بات غلط ہے۔ ہر گناہ سے الگ توبہ ہوتی ہے۔ کسی ایک گناہ سے توبہ کے لیے ضروری نہیں کہ پہلے باقی گناہوں سے بھی توبہ کی جائے۔ اسی طرح ایک گناہ کا دوسرے گناہ سے جڑا ہوا نہیں رہتا۔ اس لیے سمجھ دار شخص کو چاہیے کہ وہ شیطان کے فریب میں نہ آئے، کریم اور احسان کرنے والے کی عطاؤں سے مایوس نہ ہو، کیونکہ انسانی نفس کی فطرت میں یہ بات شامل ہے کہ یہ بھلائی کا شوق رکھتا ہے اور اسے پاکر خوش ہوتا ہے، برائی کو ناپسند کرتا ہے اور اس کا شکار ہونے کے بعد پریشان ہوتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ حق کی پیروی سے ہی اس کا وجود درست رہ سکتا ہے اور اس کی زندگی اچھی گزر سکتی ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں ایک شخص کو گم پایا تو اس کے بارے میں پوچھا۔ لوگوں نے کہا: امیر المؤمنین! وہ تو شراب نوشی کا بری طرح شکار ہو چکا ہے۔ سیدنا عمر نے کاتب کو بلا کر کہا: لکھو:

"مِنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ إِلَى فُلَانِ ابْنِ فُلَانٍ، سَلَامٌ عَلَيْكَ، أَمَّا بَعْدُ: فَإِنِّي أَحْمَدُ إِلَيْكَ اللهَ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ، غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التوبِ، شديدِ العقابِ، ذي الطَّولِ، لَا إِلهَ إِلَّا هُوَ إِلَيْهِ الْمَصِيرُ".

"عمر بن خطاب کی طرف سے فلاں بن فلاں کی طرف۔ سلام علیک۔ بعد ازاں! میں تمہیں اللہ کی تعریف سناتا ہوں جو گناہ معاف کرنے والا، توبہ قبول کرنے والا، سخت سزا دینے والا ور مہربان ہے۔ اس کے سوا کوئی الہ نہیں۔ اسی کی طرف ہمیں لوٹنا ہے۔"

پھر انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

"ادْعُوَا اللهَ لِأَخِيكُمْ أَنْ يُقْبِل بِقَلْبِهِ، وَأَنْ يَتُوبَ اللهُ عَلَيْهِ"

"اپنے بھائی کے لیے دعا کرو کہ وہ اپنے دل سے اللہ کی طرف متوجہ ہو جائے اور اللہ اسے قبول فرمالے۔"

جب اس شخص کو سیدنا عمر کا خط موصول ہوا تو وہ اسے بار بار پڑھنے لگا، گناہ معاف کرنے والا، توبہ قبول کرنے والا، سخت سزا دینے والا۔ اس نے مجھے اپنی سزا سے ڈرایا، معافی کا وعدہ کیا۔ وہ بار بار دھراتا رہا۔ پھر رونے لگا، پھر گناہ کو چھوڑ دیا اور توبہ کر لی۔

اللہ کے بندو! شیطان بڑا فریب کار دشمن ہے، جب بندہ بار بار گناہ کرتا ہے، نافرمانیاں کر کے اپنے نفس کے ساتھ زیادتی کرتا ہے، تو وہ پوری کوشش کرتا ہے کہ اسے مایوسی جیسے بڑے گناہ میں بھی دھکیل دے، اپنے پروردگار کے بارے میں بدگمان کر کے بد ترین جرم میں مبتلا کر دے۔ اس بدترین خرابی سے لوگوں کو محفوظ کرنے کے لیے ہی ہمارے دین نے لوگوں میں مایوسی پھیلانے اور اللہ کی رحمت سے نا امید کرنے سے منع کیا ہے، گناہ گاروں کو توبہ سے مایوس کرنے سے بھی روکا ہے۔ کسی گناہ گار کو اس کے گناہ کا طعنہ دینے کو بہت برا کام سمجھا گیا ہے۔ حدیث میں آتا ہے:

أنّ رَجُلًا قالَ: واللهِ لَا يَغْفِرُ اللهُ لِفُلانٍ، وَإِنّ اللهَ تعالَى قالَ: مَنْ ذَا الَّذِي يَتَأَلَّى عَلَيّ أَنْ لا أَغْفِرَ لِفُلانٍ، فَإِنِّي قدْ غَفَرْتُ لِفُلانٍ، وأَحْبَطْتُ عَمَلَكَ.

"ایک شخص نے کہا: اللہ کی قسم! اللہ فلاں کو معاف نہیں کرے گا۔ تو اللہ تعالی نے فرمایا: یہ کون ہے جو میرے بارے میں ایسی باتیں کرنے کی جسارت کر رہا ہے؟! میں نے اس شخص کو معاف کر دیا اور یہ کہنے والے کی نیکیاں برباد کر دیں۔"

انسان اپنے پروردگار سے جتنا بھی دور ہو جائے، جب تک وہ مہلت میں رہتا ہے، اس کے لیے توبہ کا راستہ کھلا رہتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بوڑھا شخص آیا اور کہنے لگا: اگر کسی شخص نے سارے گناہ

کیے ہوں، کوئی گناہ نہ چھوڑا ہو۔ کیا وہ بھی توبہ کر سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے کہا:

«فَهَلْ أَسْلَمْتَ؟»

”کیا تم نے اسلام قبول کیا ہے؟“

اس نے کہا: میں یہ گواہی تو دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ وہ واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں، اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«نَعَمْ، تَفْعَلُ الْخَيْرَاتِ، وَتَتْرُكُ السَّيِّئَاتِ، فَيَجْعَلُهُنَّ اللَّهُ لَكَ خَيْرَاتٍ كُلَّهُنَّ»

”جی ہاں! نیکیاں کرو، برائیاں چھوڑ دو، اللہ پچھلے گناہ بھی نیکیوں میں بدل دے گا“

وہ شخص حیرت زدہ ہو کر کہنے لگا: اور میری غداریاں اور فساد انگیزیاں!؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«نَعَمْ»

”جی ہاں! معاف ہو جائیں گی“

وہ شخص کہنے لگا: اللہ اکبر۔ وہ یہ نعرہ بلند کرتا ہوا چلا گیا اور ہماری آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔

اللہ کے بندو! اللہ کی مہربانیاں اتنی زیادہ ہیں کہ کسی عبارت میں بیان نہیں ہو سکتیں نہ ان سب کی طرف اشارہ ہی ممکن ہے۔ تو اللہ کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے، بلکہ جب بھی انسان کا قدم پھسل جائے، تو اسے توبہ کرنی چاہیے، ہمیشہ علم رکھنے والے بادشاہ کا یہ فرمان یاد رکھنا چاہیے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ﴾ (سورۃ البقرۃ:222)

”اللہ اُن لوگوں کو پسند کرتا ہے، جو بدی سے باز رہیں اور پاکیزگی اختیار کریں۔“

اس آیت میں ان لوگوں تسلی دی گئی ہے جو توبہ کے بعد پھر سے گناہ کا شکار ہونے پر توبہ سے ہچکچاتے ہیں۔ جو اللہ کے عفو و درگزر کو جان لیتا ہے، اس کی کشادہ رحمت کو دیکھ لیتا ہے، وہ اس کی مہربانی سے کبھی مایوس نہیں ہوتا اور تجدیدِ توبہ سے کبھی نہیں رکتا۔ حدیث میں آتا ہے:

«أَذْنَبَ عَبْدٌ ذَنْبًا، فَقالَ: اللَّهُمَّ اغْفِرْ لي ذَنْبِي، فَقالَ تَبارَكَ وَتَعَالَى-: أَذْنَبَ عَبْدِي ذَنْبًا، فَعَلِمَ أنّ له رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ، وَيَأْخُذُ بالذَّنْبِ، ثُمّ عَادَ فأَذْنَبَ، فَقالَ: أَيْ رَبِّ اغْفِرْ لي ذَنْبِي، فَقالَ تَبارَكَ وَتَعَالَى-: عَبْدِي أَذْنَبَ ذَنْبًا، فَعَلِمَ أنّ له رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ، وَيَأْخُذُ بالذَّنْبِ، ثُمّ عَادَ فأَذْنَبَ فَقالَ: أَيْ رَبِّ اغْفِرْ لي ذَنْبِي، فَقالَ تَبارَكَ وَتَعَالَى-: أَذْنَبَ عَبْدِي ذَنْبًا، فَعَلِمَ أنّ له رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ، وَيَأْخُذُ بالذَّنْبِ، اعْمَلْ ما شِئْتَ فقَدْ غَفَرْتُ لَكَ»

”ایک بندے نے گناہ کیا اور پھر کہا: اے اللہ! مجھے بخش دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے بندے نے گناہ کیا، پھر اسے معلوم ہوا کہ اس کا پروردگار بخشنے والا بھی ہے اور سزا دینے والا بھی۔ پھر اس سے دوبارہ گناہ ہو جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے: اے میرے رب! میرا گناہ بخش دے! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے گناہ کیا، پھر اسے معلوم ہوا کہ اس کا پروردگار گناہ بخشنے والا بھی ہے اور سزا دینے والا بھی۔ اس سے پھر گناہ ہو جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے: اے میرے رب! میرا گناہ بخش دے! اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے بندے نے گناہ کیا، پھر اسے معلوم ہو گیا کہ اس کا پروردگار گناہ بخشنے والا بھی ہے اور سزا دینے والا بھی۔ جو چاہو کرتے رہو، میں تمہیں بخش دیا ہے۔“

یعنی جب تک ہر گناہ کے بعد توبہ کرتے رہو گے، تمہیں گناہ کا کوئی نقصان نہیں ہو گا۔

اسی طرح بیان کیا جاتا ہے کہ کسی نے ایک عالم سے کہا: مجھ سے گناہ ہو گیا ہے۔ عالم نے کہا: توبہ کر لو۔ اس نے کہا: اگر پھر گناہ ہو جائے تو؟ اس نے کہا: توبہ کر لو۔ اس نے پوچھا: کب تک؟ اس نے کہا: جب تک تم شیطان کو رسوا نہ کر دو۔ شیطان کی تمنا ہے کہ وہ تمہارے اندر مایوسی اور ناامیدی پیدا کر دے۔

اے اسلامی بھائیو! یہ پیغام ہر مسلمان مرد، مسلمان عورت اور گناہ گار تک پہنچنا چاہیے کہ انسان کی فطرت میں راست بازی اور خیر کی محبت موجود ہے۔ وہ فطری طور پر بھلائی کو قبول کرتا ہے اور اسے ترجیح دیتا ہے، برائی کو ناپسند کرتا ہے، اس سے بچتا اور اسے دور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس لیے ہر گناہ گار کو چاہیے کہ وہ اپنے نفس کا مقابلہ کرے، اپنے اندر موجود اچھی صفات کا فائدہ اٹھائے، انہیں بڑھائے اور بہتر کرے۔ یہ صفات انسان کے اندر جتنی زیادہ اور مضبوط ہوں گی، برائی کی رغبت اتنی ہی کم ہو گی، گناہ کا راستہ اتنا ہی مشکل ہو گا اور شیطان کے راستے اتنے ہی بند ہوں گے۔ اسی طرح ہر شخص کو چاہیے کہ اپنے گناہ کو توبہ کے راستے میں رکاوٹ نہ بنائے۔ ہر ایک کو یاد رکھنا چاہیے کہ ان کے لیے بھی اللہ کی رحمت کشادہ ہی ہے۔ بڑے سے بڑا گناہ بھی ایسا نہیں جو انسان کو توبہ سے روک سکے۔ اس شخص کو یاد کر لیجیے جس نے سو لوگوں کو قتل کیا تھا، اس کے بڑے جرائم کے باوجود وہ مایوس نہیں ہوا، توبہ کر کے اپنے علاقے کو چھوڑ کر نکل گیا، راستے میں ہی اللہ کی رحمت نے اسے آلیا اور رحمت کے فرشتے اس کی روح لے گئے۔

اللہ کے بندو! توحید پرست انسان کے لیے جب کوئی خیر کا دروازہ کھلے تو اسے چاہیے کہ اس کے ساتھ جڑا رہے، چاہے وہ فرمان برداری میں کوتاہی کا شکار ہی کیوں نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو ایک واقعہ سنایا تھا کہ

أنّ رجلًا لم يعملْ خيرًا قطُّ، وكان يُداينُ النّاسَ، فيقولُ لرسولِه: خُذْ ما تَيَسَّرَ، واترُكْ ما عَسُرَ وتَجاوَزْ، لعلَّ اللهَ يَتَجاوزُ

عنا. فلمَّا هلَك قال اللهُ له: هل عملتَ خيرًا قطُّ؟ قال: لا، إلَّا أنه كان لي غلامٌ، وكنتُ أُدايِنُ الناسَ، فإذا بعثتُه يَتقاضى قلتُ له: خُذْ ما تيسّرَ، واتركْ ما عَسُرَ، وتَجاوَزْ، لعلَّ اللّٰهَ يَتَجاوزُ عنَّا. قال اللّٰهُ -تعالى-: قد تَجاوَزْتُ عَنْكَ.

"ایک شخص تھا، جس نے کبھی کوئی نیکی نہیں کی تھی، ہاں! مگر وہ لوگوں کو ادھار دیتا تھا۔ جب تقاضے کے لیے اپنے ملازم کو بھیجتا تو اسے کہتا: جتنا آسانی سے مل جائے، لے آنا، جو مشکل ہو اسے چھوڑ دینا اور درگزر کرنا، تاکہ اللہ بھی ہم سے درگزر کرے۔ جب وہ فوت ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے کہا: کیا تم نے کبھی کوئی نیکی کی ہے؟ اس نے کہا: نہیں، ہاں! مگر میرا ایک غلام تھا۔ میں لوگوں کو ادھار دیتا ہے، جب میں اسے تقاضے کے لیے بھیجتا تھا تو اس سے کہتا ہے: جتنا آسانی سے مل جائے، لے آنا، جو مشکل ہو اسے چھوڑ دینا اور درگزر کرنا تاکہ اللہ ہم سے بھی درگزر کرے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو میں نے بھی تم سے درگزر کیا۔"

اسی طرح ہمیں چاہیے کہ اپنی فطرتِ سلیمہ سے فائدہ اٹھائیں جو ہر انسان میں موجود ہوتی ہے، کیونکہ ہر بچے کو فطرت پر ہی پیدا کیا جاتا ہے اور خیر کا بیج جتنا بھی چھوٹا کیوں نہ ہو جائے، بہر حال، وہ بندے میں موجود رہتا ہے، چاہے وہ خواہشات کے دلدل میں بری طرح پھنسا ہو، برائیوں میں بہت آگے جا چکا ہو۔ اس لیے مربی اور مصلح حضرات کو چاہیے کہ لوگوں میں نیکی کے جذبے کو مضبوط کرنے کی کوشش کریں، ان کے نفس میں موجود بھلائی کا فائدہ اٹھائیں، گناہ گاروں میں خیر وبھلائی کے بقایا کو پھر سے مضبوط کرنے کی کوشش کریں۔ بالکل ویسے جیسے انسان چھوٹے سبز پودوں کا خیال رکھتا ہے اور ان کے ارد گرد اگنے والی گھاس پھوس کاٹ دیتا ہے تاکہ وہ بڑے اور مضبوط ہو جائیں۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر کہنے لگا: فلاں شخص تہجد پڑھتا ہے، مگر صبح اٹھ کر چوری کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"إِنَّهُ سَيَنْهَاهُ مَا تَقُولُ"

"جس نیکی کا تم ذکر کر رہے ہو، وہ اسے چوری سے روک دے گی۔"

اسی طرح ان ہی سے روایت ہے کہ ایک دن ایک شخص کو پکڑ کر لایا گیا اور اسے شراب نوشی کی وجہ سے کوڑے مارے گئے۔ ایک شخص نے کہا: اے اللہ! اس پر تیری لعنت ہو۔ اسے کتنی بار لایا جا چکا ہے؟! آپ ﷺ نے فرمایا:

«لا تَلعَنُوه، فواللهِ ما علمتُ إلّا أنه يحبُّ اللهَ ورسولَه»

"اس پر لعنت نہ بھیجو، مجھے تو یہی لگتا ہے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے"

ایک دوسری روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا: اسے کیا مسئلہ ہے؟ اللہ اسے رسوا کرے! آپ ﷺ نے فرمایا:

«لا تكونوا عونَ الشّيطان على أخيكم»

"اپنے بھائی کے خلاف شیطان کی مدد نہ کرو۔"

اسی طرح ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ گناہ گار پر اپنی مہربانی فرما دیتا ہے۔ کوئی ایسی نصیحت اس کے کان میں پڑ جاتی ہے جو اس کے دل کو بیدار کر دیتی ہے۔ پھر اس کی صلاحیتیں کسی مثبت کام میں لگ جاتی ہیں اور اس کے بہترین نتائج سامنے آتے ہیں۔

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن وہ کوفہ کے علاقے میں ایک جگہ سے گزر رہے تھے۔ وہاں انہیں کچھ بھٹکے ہوئے نوجوان نظر آئے جو شراب نوشی کے لیے اکٹھے ہوئے تھے۔ ان میں ایک گویا بھی تھا جسے "زاذان" کہتے تھے۔ وہ گاتا اور بجاتا۔ اس کی آواز بہت خوب صورت تھی۔ ابن مسعود نے کہا: یہ کتنی پیاری آواز ہے۔ اسے تو تلاوت قرآن میں لگانا چاہیے۔ اس بات نے "زاذان" پر اثر کیا۔ انہوں نے توبہ کر لی اور ان کی زندگی بدل گئی۔ وہ نیکی میں بڑھتے گئے، یہاں تک کہ توبہ کے بعد ایک محدث اور امام بن گئے اور ان کا شمار بڑے علماء میں ہونے لگا۔

میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان مردود سے۔

﴿قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾ (سورۃ الزمر: 53)

"(اے نبی) کہہ دو کہ اے میرے بندو، جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ، یقیناً اللہ سارے گناہ معاف کر دیتا ہے، وہ تو غفور ورحیم ہے"

مجھے یہی کہنا تھا۔ میں اللہ سے اپنے لیے اور آپ کے لیے معافی مانگتا ہوں۔

دوسرا خطبہ

تعریف بس اللہ ہی کے لیے ہے۔ درود وسلام ہو رسولِ مجتبیٰ ﷺ پر، آپ ﷺ کی آل پر، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اور ہدایت کا راستہ اپنانے والوں پر۔

بعد ازاں! اللہ کے بندو! ہمیں توبہ کی طرف متوجہ کرنے والی ایک چیز یہ ہے کہ ہم اس چیز کو اپنے اندر اجاگر کریں کہ اللہ تعالیٰ اپنے اوپر رحمت لازمی کی ہے۔ اس کا عفو ودرگزر اتنا وسیع ہے کہ ساری مخلوقات اس میں آ جائیں، اس کی رحمت اس کے غضب سے آگے ہیں۔ جب سے اس نے زمین وآسمان کی تخلیق کی ہے، تب سے قیامت تک اس نے توبہ کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ ہم توبہ

کریں، جبکہ شیطان چاہتا ہے کہ ہم گمراہ اور بدبخت ہو جائیں۔ حدیث میں آتا ہے:

”شیطان نے کہا: اے رب! تیرے عزت کی قسم! جب تک تیرے بندوں کے جسموں میں روح رہے گی، میں انہیں گمراہ کرنے سے باز نہیں آؤں گا۔ اللہ تعالیٰ نے کہا: میری عزت و جلالت کی قسم! جب تک وہ مجھ سے معافی مانگتے رہیں گے، میں انہیں معاف کرتا رہوں گا۔“

تو اے اللہ کے بندے! شیطان سے بچ کر رہو۔ اس کے خالق کی پناہ مانگو، اسی کا رخ کرو، وہ شیطان کو تم سے دور کرنے پر قادر ہے۔ ایک بزرگ نے اپنے طالب علم سے کہا: جب شیطان تمہیں گناہوں پر اکسائے تو کیا کروگے؟ اس نے کہا: میں اس کا مقابلہ کروں گا۔ انہوں نے کہا: اگر اس نے دوبارہ اکسایا تو؟ اس نے کہا: اس سے پھر مقابلہ کروں گا۔ انہوں نے کہا: اگر پھر اکسایا تو؟ اس نے کہا: اس کا مقابلہ کروں گا۔ انہوں نے کہا: یوں تو معاملہ بہت لمبا ہو جائے گا۔ ذرا سوچو، اگر تم بکریوں کے ریوڑ کے پاس سے گزرو اور ان کا کتا تم پر بھونکنا شروع کر دے، تو تم کیا کرو گے؟ اس نے کہا: میں اس کا مقابلہ کروں گا اور جہاں تک ممکن ہو، اسے روکنے کی کوشش کروں گا۔ انہوں نے کہا: یوں تو بہت دیر لگ جائے گی، ایسا کرنا، بکریوں کے مالک سے کہنا، وہ اپنے کتے کو تم سے دور کر دے گا۔

اسلامی بھائیو! رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«كُلُّ ابنِ آدمَ خطّاءٌ، وخيرُ الخطّائينَ التوّابونَ»

”سارے اولادِ آدم خطاکار ہیں۔ بہترین خطاکار وہ ہیں جو سب سے زیادہ توبہ کرنے والے ہیں“

یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہے کہ بندے سے غلطی ہو جائے، مگر حیرت والی بات یہ ہے کہ انسان گناہوں اور کوتاہیوں میں مسلسل لگا رہے، گمراہی کے راستے پر چلتا رہے اور ہدایت کے راستے سے دور رہے۔ خطرہ یہ نہیں ہے کہ انسان سے غلطی ہو جائے، مگر خطرے کی بات یہ ہے کہ انسان کو ہوش ہی نہ آئے اور وہ برائی کے بعد بھلائی کی طرف آئے ہی نہ۔

اے مسلمان بھائی! توبہ میں جلدی کرو، ہچکچانا چھوڑ دو، آج کل نہ کرو، اپنے پروردگار سے دور نہ ہو۔ اپنے مولیٰ سے تعلق نہ توڑو۔ اپنے نفس کو ایسا کبھی نہ کہنا: مجھ میں کوئی خیر نہیں ہے۔ میں توبہ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ باتیں شیطان تمہارے دل میں ڈالتا ہے۔ یہ اس کی چال ہوتی ہے۔

تو میرا پیغام ہے، ہر اس شخص کے لیے جسے شیطان نے پھسلا دیا ہے، جو رحمن کے راستے سے بھٹک گیا ہو، جس نے گناہوں سے اپنے آپ پر زیادتی کی ہو، جسے گناہوں نے بھاری کر دیا ہو، جو مایوسی کا شکار ہو گیا ہو، اللہ کی رحمت سے ناامید ہو گیا ہو، جس کی خواہش اس پر غالب آگئی ہو، جس کا دل تاریک ہو چکا ہو، جس کا سینہ تنگ ہو گیا ہو، جو توبہ سے امید چھوڑ گیا ہو اور جس کا معاملہ مشکل میں پڑ گیا ہو۔ اس سب سے میں کہتا ہوں: یاد رکھو کہ تمہارا رب رحم فرمانے والا، معاف کرنے والا، درگزر کرنے والا اور قدردان ہے۔ جب تم اس کی طرف متوجہ ہو گے تو وہ بھی تمہاری طرف متوجہ ہو گا، چاہے تمہارا گناہ بہت بڑا کیوں نہ ہو اور تمہاری غلطی بہت سنگین کیوں نہ ہو۔

حدیث میں آتا ہے: «إن الله -عز وجل- يَبسُطُ يدَه بالليل ليتوبَ مسيءُ النهار، ويَبسُطُ يدَه بالنهار ليتوبَ مسيءُ الليل، حتى تَطلُعَ الشمسُ من مغربها»

”اللہ رات کے وقت ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ دن کا گناہ گار توبہ کر لے اور دن کے وقت ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ رات کا گناہ گار توبہ کر لے۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا، جب تک سورج مغرب سے نہیں نکل جاتا۔“

تو اس کا رخ کرو جس کے عفو و درگزر پر گناہ گاروں اور خطاکاروں نے اعتماد کیا اور وہ ان کے لیے کافی ہو گیا۔ اس کی کرم نوازی سے محسنوں امیدیں جوڑیں اور خالی ہاتھ نہ لوٹے۔ جسے سوالیوں نے پکارا تو ان کی پکار آسمانوں کے پردے عبور کرتے ہوئے وہاں پہنچ گئے۔ وہ ماں سے بھی زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ توبہ سے اتنا خوش ہوتا ہے جتنا مسافر اپنی گم شدہ سواری اور سامان پانے سے ہوتا ہے۔ کیا ہمیں یہ زیب نہیں دیتا کہ اس کا رخ کریں اور اس کی طرف رجوع کریں؟ حالانکہ ہم اس کی مغفرت کے محتاج ہیں، لمحہ بھر کے لیے بھی ہم اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ کیوں نہیں؟! اللہ کی قسم! ہمیں یہی زیب دیتا ہے۔ اس لیے ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ ہمارے گناہ ہمیں توبہ سے روکنے نہ پائیں۔ اپنے پروردگار کا رخ کرنے سے ہمیں ہماری غلطیاں نہ روکیں۔ تاکہ ہم گناہوں پر جمے نہ رہیں۔

اللہ کے بندو! درود و سلام بھیجو اللہ کے چنیدہ بندے، نبی اواب ﷺ پر۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (سورۃ الاحزاب:56)

”اللہ اور اس کے ملائکہ نبی پر درود بھیجتے ہیں، اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“

﴿سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ * وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ 0 وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (سورۃ الصَّافَّات:180-182)

”پاک ہے تیرا رب، عزت کا مالک، اُن تمام باتوں سے جو یہ لوگ بنا رہے ہیں اور سلام ہے مرسلین پر اور ساری تعریف اللہ ربّ العالمین ہی کے لیے ہے۔“



علمِ وراثت کا تعلق بہت عظیم اور اعلیٰ شرعی علوم سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء کی تین آیات میں بہت سے وراثت کے احکامات بیان فرمائے ہیں اور پھر احادیث مبارکہ میں ان احکامات کی مزید تفصیلات اور وضاحت بیان کی گئی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی علم الفرائض یعنی وراثت کا بھرپور اہتمام کیا، پھر ان کے بعد تابعین اور علمائے کرام نے اس علم کو مکمل توجہ دی، اور اس کے متعلق متعدد کتابیں لکھی گئیں۔

ذیل میں ہم علم وراثت سے متعلقہ کچھ مسائل اور جامع قواعد ذکر کریں گے: وراثت کے 3 ارکان ہیں:

1۔ وارث

2۔ مورث (یعنی میت)

3۔ اور ترکہ۔

وراثت کی تین شرائط ہیں:

پہلی شرط

وارث میت کی وفات کے وقت زندہ ہو، یا اس کا حکم زندہ افراد والا ہو جیسے کہ حمل کے بارے میں کیا جاتا ہے؛ حمل کے وارث بننے کے لیے دو شرطیں ہیں:

1۔ حمل میت کی وفات کے وقت رحم میں ہو چاہے نطفہ کی حالت میں ہی کیوں نہ ہو۔

حمل مکمل طور پر زندہ حالت میں پیدا ہو۔

دوسری شرط

میت کی وفات یقینی ہو، یا اسے فوت شدگان کے حکم میں شامل کر دیا جائے، جیسے کہ گمشدہ افراد وغیرہ۔

تیسری شرط

وراثت کے اسباب کا علم ہو، وارث کے درجے کا علم ہو۔

وراثت کے اسباب تین ہیں:

نکاح: اس سے مراد محض صحیح عقد نکاح ہے، دخول شرط نہیں ہے۔

ولاء: یعنی غلام کو آزاد کرنے پر مالک کو حاصل ہونے والا حق۔

نسب: رشتہ داری

وراثت کے تین موانع ہیں:

غلامی: لہذا غلام کسی کا وارث نہیں بنے گا۔

قتل: لہذا قاتل مقتول کا وارث نہیں بنے گا۔

اختلاف دین: لہذا کافر کسی مسلمان کا اور مسلمان کسی کافر کا وارث نہیں بنے گا۔

مرد وارثوں کی تعداد 15 ہے:

بیٹا، پوتا (پھر اس کی نسلیں) والد، دادا (اوپر تک نسب) سگا بھائی، والد کی طرف سے بھائی، ماں کی طرف سے بھائی، سگا بھتیجا، والد کی طرف سے بھائی کا بیٹا (پھر اس کی نسلیں) سگا چچا، والد کا چچا (نسب میں کتنا ہی بلند ہو) سگے چچا کا بیٹا، والد کے چچا کا بیٹا، خاوند، اور آزاد کرنے والا آقا۔

خواتین وارثوں کی تعداد 10 ہے:

بیٹی، پوتی چاہے اس کا والد نسب میں کتنا ہی نیچے ہو، ماں، نانی، دادی، سگی بہن، والد کی طرف سے بہن، ماں کی طرف سے بہن، بیوی اور آزاد کرنے والی عورت۔

وراثت دو قسم کی ہے:

1۔ فرض حصہ، یہ شرعی طور پر وارث کے لیے مقرر کیا گیا حصہ ہوتا ہے، جیسے کہ نصف، ایک چوتھائی، ایک تہائی۔۔۔ وغیرہ

2۔ عصبہ، فرض حصہ لینے والے وارثین اپنا حصہ لے لیں تو بقیہ ان وارثوں کو ملتا ہے۔

قرآن کریم میں فرض حصے 6 ہیں:

نصف، چوتھا، آٹھواں، دو تہائی، تہائی اور چھٹا۔

پہلے اصحاب الفروض اپنا حصہ لیں گے، پھر اگر ترکہ میں سے کچھ بچ جائے تو عصبہ لے لیں گے، اور اگر کچھ نہ بچے تو انہیں کچھ نہیں ملے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

”اصحاب الفرائض کو ان کا حصہ دو، اور پھر جو بچ جائے وہ میت کے قریب ترین مرد عصبہ کو ملے گا۔“ (صحیح بخاری: 6732؛ صحیح مسلم: 1615)

جبکہ وراثت کے تفصیلی احکامات اور ہر وارث کی حالتیں اور ہر حالت میں اس کے وارث بننے کی شرائط وغیرہ اس مختصر جواب میں بیان کرنا ممکن نہیں ہیں، تاہم اس حوالے سے وراثت سے متعلقہ کتب کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔

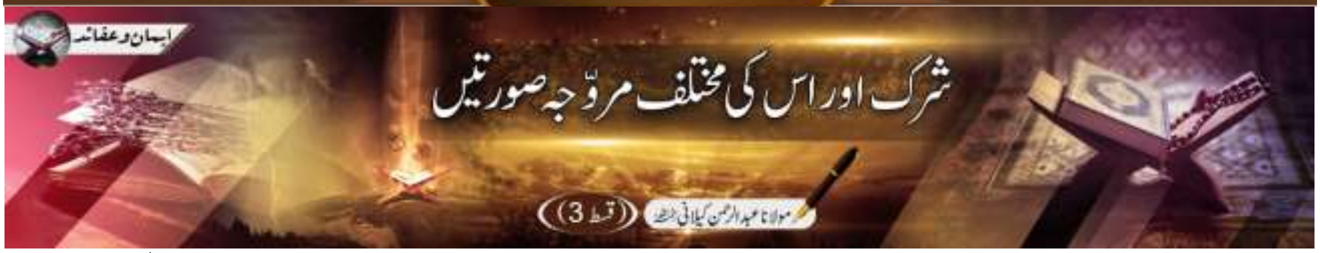
عربی زبان میں:

"الفوائد الجلية في المباحث الفرضية" از شیخ عبد العزیز بن باز رحمہ اللہ

"تسهيل الفرائض" از شیخ محمد بن صالح عثیمین رحمہ اللہ

اور "التحقيقات المرضية في المباحث الفرضية" از شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ

☆☆☆



سیارے اور ہفتہ کے دن

یہ نظریہ پہلے سے بھی بڑھ کر مشرکانہ عقائد اپنے ساتھ لایا۔ افلاک اور سیاروں کے ایسے مخصوص اثرات تسلیم کرلئے گئے جو انسانی زندگی پر ہر وقت پڑتے ہیں۔ ہفتہ کے سات دنوں کے نام اظہارِ عقیدت کے طور پر انہیں سات سیاروں یا ان کے دیوتاؤں کے نام پر رکھے گئے۔ اہل یونان و روم ان معتقدات میں پیش پیش تھے۔ان کے ہاں دنوں کے ناموں کی سیاروں سے مناسبت کچھ اس طرح ہے۔

انگریزی زبان میں:

1۔ سورج کو اور اسی طرح اس کے دیوتا کو 'سن' (Sun) اور اتوار کو (Sunday) کہا جاتا ہے۔ یعنی سورج دیوتا کا دن۔

2۔ چاند کو اوراسی طرح اس کے دیوتا کو 'مون' (Moon) اور سوموار کو (Monday) کہاجاتا ہے یعنی چاند دیوتا کا دن۔

3۔ مریخ کو (Mars) لیکن اس کے دیوتا کو 'ٹو' (Tiw) لہٰذا منگل کو (Tuesday) کہا جاتا ہے یعنی مریخ دیوتا کا دن۔

4۔ عطارد کو اور اس کے دیوتا کو بھی 'ویڈن' (Weden) اور بدھ کو (Wednesday) کہا جاتا ہے یعنی عطارد دیوتا کا دن۔

5۔اسی Weden دیوتا کا ایک بیٹا تھار (Thor) تسلیم کیا گیا جو گرج یا رعد کا دیوتا بنا۔ اسے مشتری کا دیوتا بھی قرار دیا گیا۔ اسی نسبت سے جمعرات کو (Thursday) کہتے ہیں۔

6۔اور اسی Weden دیوتا کی بیوی کا نام فرگ (Frigg) یا فرگا (Frigga) تجویز ہوا، اسے جونو (Jono) کہتے ہیں۔ یہ زہرہ سیارہ کی دیوی تھی اور اسی نسبت سے جمعہ کے دن کو (Friday) کہتے ہیں۔ زہرہ کا مالک دیوتا کی بجائے دیوی تجویز کرنے کی شاید یہ وجہ ہو کہ اس کو ایک خوبصورت سیارہ تصور کیا جاتا ہے۔

سیاروں کے ہمہ گیر اثرات

ہند کے لوگ ان معتقدات میں اہل مغرب سے بھی کچھ آگے بڑھ گئے تھے۔ انہوں نے دنوں کے نام سیاروں کی نسبت سے تجویز کرنے کے علاوہ ان میں سعد و نحس کی تمیز بھی قائم کر دی۔ مثلاً زحل کو ہندی میں سینیچر کہتے ہیں، اسی نسبت سے ہفتہ کا نام سنیچر وار تجویز ہوا۔ اس سیارہ کو منحوس خیال کیا جاتا ہے۔ پھر ہر انسان کے نام کی کسی مخصوص سیارہ سے نسبت قائم کی گئی۔ گویا اس انسان پر اس منسوب سیارہ کے اثرات دوسرے سیاروں کی نسبت زیادہ تسلیم کئے گئے۔ اس طرح زہرہ کو ہندی میں شکر کہتے ہیں، لہٰذا جمعہ کا نام شکر وار تجویز ہوا۔ مشتری کو برہسپت کہتے ہیں۔ جمعرات کا دن اس سیارہ کا تسلیم کیا گیا اور اسے برہسپت وار یا ویر وار کہتے تھے۔ یہ سیارہ سعدِ اکبر تسلیم کیا جاتا ہے۔ گویا جس شخص کی اس سیارہ سے نسبت ہو، وہ بہت نیک بخت ہو گا۔ عطارد کو ہندی میں بدھ اور اس سے منسوب دن کو بدھوار کہتے ہیں اور اس سیارہ سے تعلق رکھنے والا انسان علم و دانش سے بہرہ ور ہو گا۔ مریخ کو ہندی میں منگل کہتے ہیں۔ اور منگل کا دن اسی سے منسوب ہے۔ مریخ کو منحوس تصور کیا جاتا ہے۔ سوموار کا دن چاند سے منسوب ہے اور اس سے نسبت رکھنے والے شخص میں نرمی اور جمال پایا جاتا ہے۔ اتوار سورج کا دن ہے اور اس سیارہ سے تعلق رکھنے والا شخص عموماً بہادر اور پر شکوہ ہوتا ہے۔

مزید ستم یہ ہوا کہ انفرادی اثرات کے علاوہ ان سیاروں کے زمین اور اہل زمین پر مجموعی اثرات بھی معتقدات میں شامل ہوگئے۔ مثلاً دولت، زراعت، معدنیات اور کپڑے کا مالک سورج کو تسلیم کیا گیا، حالانکہ ان کی الگ الگ دیویاں بھی موجود ہیں۔ مشتری کو یعنی برہسپت کو سیلاب اور بادلوں کا مالک۔ مریخ یعنی منگل کو پھلوں کے رسوں کا مالک، زحل یا سینیچر کو غذا کا مالک اور عطارد کو تمام پھلدار درختوں اور پودوں کا مالک سمجھا جانے لگا۔ ان معتقدات کا نتیجہ یہ ہوا کہ علم ہیئت یا علم نجوم سے زیادہ ایک دوسرا علم یعنی علم جوتش یا 'علم اثراتِ نجوم' فروغ پا گیا۔ بادشاہ اور حکمران لوگ کسی بھی مہم یا سفر پر روانہ ہونے سے پیشتر نجومیوں سے زائچے تیار کرواکے یہ معلوم کرتے تھے کہ ان کا یہ سفر یا مہم کن حالات پر منتج ہو گی۔

لوگوں کی دلچسپی بڑھتی گئی تو اس کے نتیجہ میں پیشہ ور نجومیوں کی ایک فوج ظفر موج معرضِ وجود میں آگئی جو لوگوں کے زائچے تیار کر کے انہیں غیب کی خبریں مہیا کرنے لگی۔ آج کل بھی ہماری اردو زبان میں ایسے بے شمار محاورات زبان زد ہیں جو ان معتقدات کی یاد تازہ کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً

"ستارۂ قسمت کا گردش میں ہونا۔" یا

"فلک کے رفتار کی چیرہ دستی" وغیرہ۔ حتیٰ کہ ہمارے شعر و ادب میں بھی یہ تصورات نفوذ کر گئے۔ بقولِ

غالب

رات دن گردش میں ہیں سات آسمان
ہو کر رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

اسلام اور کواکب پرستی

جب اسلام آیا تو اہلِ عرب دوسرے دیوتاؤں اور دیویوں کے علاوہ سیاروں سے منسوب دیوتاؤں اور دیویوں کی پرستش بھی کرتے تھے۔ سورج کو عربی میں شمس کہتے ہیں اور یہ لفظ بطورِ مؤنث استعمال ہوتا ہے چنانچہ اہلِ عرب سورج کے دیوتا کو دیوی 'الاہہ' (جو کہ الہٰ کی مؤنث ہے) کہتے تھے۔ اسی طرح ستارہ 'شعریٰ' کا ذکر بھی قرآنِ کریم میں موجود ہے جس کی پرستش کی جاتی تھی۔ اسلام نے سیاروں سے منسوب جملہ معتقدات پر کاری ضرب لگائی۔ چند معروف پہلو درج ذیل ہیں:

1۔ سیاروں کی خدائی

اسلام نے انسان کو تمام کائنات سے اشرف تسلیم کرتے ہوئے بلند ترین مقام بخشا ہے۔ ان سیاروں کی خدائی یا دیوتائی تو درکنار وہ تو ان اجرامِ فلکی کو انسان کا خادم قرار دیتا ہے۔ ارشادِ باری ہے:

﴿وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ﴾ (سورۃ ابراہیم:33)

”اور اللہ تعالیٰ نے چاند اور سورج کو تمہاری خدمت پر مامور کر دیا ہے جو ایک دستور پر چل رہے ہیں۔ اسی طرح دن اور رات کو تمہاری خدمت کے لئے لگا دیا گیا ہے۔“

ایک دوسرے مقام پر فرمایا کہ صرف ان اجرامِ فلکی ہی کی کیا بات ہے، ہم نے تو آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، تمہاری ہی خدمت پر مامور کیا ہے:

﴿أَلَم تَرَوا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُم ما فِي السَّمٰوٰتِ وَما فِي الأَرضِ﴾ (سورۃ لقمان:20)

”کیا تم دیکھتے نہیں کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب کو اللہ نے تمہارے کام میں لگا دیا ہے۔“

2۔ سیاروں کی تاثیر تسلیم کرنا واضح شرک ہے

دورِ نبوی کا واقعہ ہے کہ ایک رات بارش ہوئی جو عرب جیسے بے آب و گیاہ ملک میں ایک عظیم نعمت متصور ہوتی تو صبح آپ نے اعلان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (حدیثِ قدسی):

« أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِي مُؤْمِنٌ بِي وَكَافِرٌ فَأَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللَّهِ وَرَحْمَتِهِ فَذَلِكَ مُؤْمِنٌ بِي وَكَافِرٌ بِالْكَوْكَبِ وَأَمَّا مَنْ قَالَ بِنَوْءِ كَذَا وَكَذَا فَذَلِكَ كَافِرٌ بِي وَمُؤْمِنٌ بِالْكَوْكَبِ» (صحیح بخاری:846)

”میرے بندوں میں کچھ لوگ مجھ پر ایمان لائے اور سیاروں (کی تاثیرات) سے منکر یا کافر ہوئے یعنی جس شخص نے یہ کہا کہ ہم پر یہ بارش اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہوئی تو وہ مجھ پر ایمان لایا اور سیاروں کا منکر ہوا اور جس نے یہ کہا کہ ہم پر یہ بارش فلاں سیارے کے فلاں برج میں داخل ہونے سے ہوئی تو وہ میرا منکر ہوا اور سیاروں پر ایمان لایا۔“

گویا سیاروں کے اثرات کو تسلیم کرنا اور خدا پر ایمان لانا دو مخالف اور متضاد چیزیں ہیں جن میں سے صرف ایک ہی چیز قبول کی جاسکتی ہے۔ جو مسلمان ہے وہ سیاروں کے اثرات کو تسلیم نہیں کر سکتا اور جو سیاروں کے اثرات کو تسلیم کرتا ہے، وہ مسلمان نہیں ہو سکتا۔ آج ہمارے اسلامی معاشرہ میں یہ مشرکانہ رسم عام ہو چکی ہے اور اب تو اچھے خاصے دین دار افراد بھی یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ

”میرا اسٹار چونکہ فلاں ہے، اس لئے مجھ میں فلاں خاصیت پائی جاتی ہے۔“

یہ بھی انسانی زندگی میں ستاروں کے اثرات تسلیم کرنے کا واضح مظہر ہے، جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔

3۔ علم نجوم اور علم غیب

علم غیب صرف اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے، اللہ کے سوا دوسروں کے لئے علم غیب کی تردید قرآن کریم میں بہت سی آیات سے ثابت ہے وہ ﴿لاَ يَعْلَمُ الْغَيْبَ إِلاَّ هُوَ﴾ کہہ کر غیب کی خبریں بتلانے والے سب علوم (جیسے رَمل، جفر، جوتش، کہانت) کو وہمی اور باطل قرار دیتا ہے اور قرآن نے عقلی دلیل یہ پیش کی ہے کہ جو شخص غیب جانتا ہو، اسے تلاشِ معاش کے لئے دَر دَر کی ٹھوکریں کھانے کی اور محنت و مشقت کرنے کی بھلا کیا ضرورت ہے؟ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ سے فرمایا کہ آپ اعلان کر دیجئے:

﴿وَلَو كُنتُ أَعلَمُ الغَيبَ لَاستَكثَرتُ مِنَ الخَيرِ وَما مَسَّنِيَ السّوءُ﴾ (سورۃ الاعراف:188)

”(اے پیغمبر!) آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں غیب جانتا ہوتا تو میں بہت سامال و دولت اکٹھا کر لیتا اور مجھے کبھی کوئی گزند نہ پہنچتا۔“

اس آیت میں علم غیب کے دو فائدے بتلائے گئے ہیں:

1۔ حصولِ رزق کے لئے محنت و مشقت کی ضرورت نہیں رہتی اور

2۔ یہ کہ ایسے شخص کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا، کیونکہ وہ اس کا تدارک پہلے ہی سوچ لیتا ہے۔ گویا قرآن نے غیب دانی کے لئے ایک معیار بتلا دیا ہے۔

کہانت، رمل، جفر اور غیب دانی کے مدعی دوسرے علوم: اسی معیار کے لحاظ سے غیب دانی کا دعویٰ کرنے والے دوسرے علوم مثلاً جفر، رمل، کہانت اور فال گیری وغیرہ سب باطل ٹھہرتے ہیں کیونکہ یہ علوم جاننے والے عموماً فٹ پاتھ پر بیٹھ کر زائچے بنا کر پیسے کماتے، انگوٹھیاں اور تعویذ بیچتے ہی نظر آتے ہیں۔ اگر ان علوم میں کچھ صداقت ہوتی تو یہ لوگ ایسے مفلوک الحال نظر نہ آتے۔

اور شرعی لحاظ سے یہ علوم اس لئے باطل ہیں کہ ان کا تعلق یا غیب دانی سے ہوتا ہے یا بعض اشیا کی تاثیرات سے اور یہ دونوں باتیں شرعی نقطہ نظر سے غلط ہیں۔ قرآن ایسے ہی علوم کو جِبتسے تعبیر کرتا اور ان پر یقین رکھنے کو کفر و شرک بتلاتا ہے۔

کہا جاسکتا ہے کہ ان علوم کے اثرات بعض دفعہ واضح طور پر ظہور پذیر ہو جاتے ہیں جیسے کاہن کی خبریں کبھی سچی بھی نکل آتی ہیں ورنہ یہ پیشے دنیا سے معدوم ہو جاتے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بعض دفعہ سچی ہوتیں ہیں تو بسا اوقات غلط بھی ثابت ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا ان علوم کا اعتبار کیا رہا اور دوسرا جواب یہ ہے کہ کسی چیز کا ثابت ہونا اور چیز ہے اور اس کا شرعی نقطہ نظر سے جائز ہونا اور چیز۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ جادو یا دیگر شیطانی تصرفات سے کسی کو بھی انکار نہیں، لیکن ان کے جواز کا کوئی بھی قائل نہیں۔

4۔ ہفتہ کے دنوں کے نام

ہندی یا بکرمی تقویم اور یورپی یا عیسوی تقویم دونوں میں ہفتہ کے دنوں کے نام دیوتاؤں اور سیاروں کی فرمانروائی کی یاد تازہ کرتے رہتے ہیں جبکہ اسلامی یا ہجری تقویم میں ہفتہ کے ناموں میں شرک، نجوم پرستی یا بت پرستی کا شائبہ نہیں پایا جاتا۔ اس تقویم میں ہفتہ کے دنوں کے نام یہ ہیں:

يوم الجمعة، يوم السّبت، يوم الأحد يوم الإثنين،يوم الثّلثاء، يوم الأربعاء، يوم الخميس

جمعہ، ہفتہ پہلا دن، دوسرا دن، تیسرا دن، چوتھا دن، پانچواں دن

اگرچہ موجودہ سائنسی دورنے بھی ستاروں کی تاثیرات اور اس جیسے دوسرے توہمات کو باطل قرار دیا ہے، تاہم ابھی تک ہم دیکھتے ہیں کہ ایسے مضامین سے پر جنتریاں ابھی تک چھپتی ہیں اور جوتشی، نجومی وغیرہ بھی اپنی دکانیں سجائے اکثر نظر آجاتے ہیں۔

2۔ اولیا پرستی اور قبر پرستی

اِن تاریخی ذرائع سے جو انسان کے علم میں آئے ہیں، یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا آدم علیہ السلام سے ساتویں پشت پر سیدنا ادریس علیہ السلام کا زمانہ ہے اور ان انبیا کے درمیان تقریباً ساڑھے تین ہزار سال کا فاصلہ ہے اور سیدنا نوح علیہ السلام، سیدنا آدم علیہ السلام سے دسویں پشت پر ہیں اور سیدنا ادریس علیہ السلام اور سیدنا نوح علیہ السلام کے درمیان وقفہ تقریباً 2 ہزار سال ہے۔ سیدنا نوح علیہ السلام کی اپنی عمر (ہزار سال) قرآنِ کریم سے ثابت ہے۔

کواکب پرستی اور مظاہر پرستی کا آغاز تو سیدنا ادریس علیہ السلام کی بعثت سے پہلے ہوتا ہے جبکہ اولیا پرستی کے آغاز کا سراغ سیدنا نوح علیہ السلام کی بعثت سے بہت پہلے ہوا تھا۔ چنانچہ جب سیدنا نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو بت پرستی سے روکا تو انہوں نے کہا کہ

﴿وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا﴾(سورۃ نوح:23)

"اور کہنے لگے کہ اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور ودّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو کبھی ترک نہ کرنا۔"

اس آیت کی تفسیر میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں (علاوہ ازیں یہ روایت مسلم، نسائی اور احمد میں بھی مذکور ہے) کہ

«إن هؤلاء صالحين في قوم نوح فلمّا ماتوا عكفوا علىٰ قبورهم ثم صوروا تماثيلهم فعبدوهم ثم صارت هذه الأوثان في قبائل العرب» (بخاری، کتاب التفسیر)

"یہ سب (پانچوں بزرگ) قومِ نوح کے نیک لوگ تھے۔ جب وہ مر گئے تو لوگ ان کی قبروں پر مراقبے کرنے لگے۔ پھر ان کے مجسّمے بنائے اور عبادت کرنے لگے۔ پھر یہی بت عرب کے قبائل میں پھیل گئے۔"

اور کتبِ تفاسیر میں ان کی مزید تشریح یوں ملتی ہے کہ یہ لوگ سیدنا نوح علیہ السلام کے آباؤ اجداد میں سے تھے اور اتنے نیک تھے کہ انہیں دیکھ کر خدا یاد آتا تھا اور ذوق عبادت بڑھتا تھا۔ جب وہ یکے بعد دیگرے فوت ہو گئے تو لوگوں کو اس کا بہت افسوس ہوا۔ وہ اکثر ان کی قبروں پر جاتے اور وہاں بیٹھ کر ان کی یاد تازہ کرتے تھے۔ بعد میں ان کی قبروں پر اعتکاف بیٹھنے کی رسم جاری ہوگئی۔ آخر میں شیطان نے ان کو یہ پٹی پڑھائی کہ ان کی قبروں پر جانے کی زحمت بھی کیوں گوارا کرتے ہو، ان کی مورتیاں بنالو جس کا فائدہ یہ ہوگا کہ ان مورتیوں کو دیکھ کر تم میں وہی ذوقِ عبادت پیدا ہوگا، جو تمہیں ان کو زندگی کی حالت میں دیکھنے سے پیدا ہوتا تھا۔ چنانچہ قوم اس چال پر لگ گئی۔ انہوں نے ان بزرگوں کی مورتیاں بنا کر اپنی مساجد میں رکھ لیں اور انہیں دیکھ کر محوِ عبادت رہتے، پھر بعد کے آنے والے لوگوں نے ان مورتیوں ہی کو پوجنا شروع کر دیا۔

ان تصریحات سے مندرجہ ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

1۔ یہ 'اولیاء اللہ' سیدنا نوح علیہ السلام کی بعثت سے صدیوں پہلے فوت ہو چکے تھے اور جب سیدنا نوح علیہ السلام مبعوث ہوئے تو اس وقت یہ قوم ان کے بتوں کی عبادت کرتی اور اپنے ان معتقدات پر راسخ ہو چکی تھی۔

2۔ شیطان نے جب کبھی شرک یا کسی دوسری برائی کی راہ انسان کو سجھائی ہے تو اس کا کوئی پہلو خوبصورت بنا کر اسے اپنے دامِ تزویر میں پھنسایا ہے۔

3۔ مظاہر پرستی کی دو شکلیں ہیں: ایک، براہِ راست اس چیز کے سامنے سرِ عجز و نیاز خم کیا جائے جیسے سورج، آگ، کسی خاص درخت یا حیوان (مثلاً گائے) کے سامنے، دوسرے، اس کا بت بنا کر اس کے سامنے تعظیم و آداب بجالائے جائیں جیسے سورج دیوتا، لکشمی دیوی وغیرہ۔ اسی طرح اولیا پرستی کی دو قسمیں ہیں: ایک قبر پرستی، دوسرے بت پرستی۔ گویا بت پرستی ان دونوں میں قدرِ مشترک ہے۔



عدت طلاق کے دوران سفر کا حکم

سوال: ایک خاتون کی طرف سے سوال کیا گیا ہے کہ اس کے خاوند نے اسے عدت کے آخری دن رجعی طلاق کے باعث واپس لے لیا ہے، اس نے میرے اوپر چند شرائط بھی عائد کی تھیں کہ جن میں سے کچھ میرے لیے قابل عمل تھیں اور کچھ بالکل ناپسندیدہ تھیں۔ اس لیے میں نے پھر دوسری طلاق کا مطالبہ کر دیا، اب وہ مجھے گھر سے نکال چکا ہے۔ میں اپنے والدین کے پاس آ چکی ہوں۔ وہ قطعاً صلح نہیں چاہتا ہے۔ میں اپنے والدین کے ساتھ عمرے پر جانا چاہتی ہوں، میرے والد کے کہنے پر اس نے مجھے جانے کی اجازت دے دی ہے، چونکہ یہ رجعی طلاق ہے اس لیے یہ بات ابھی تک واضح نہیں ہوئی کہ آیا مجھے عمرے پر جانا چاہیے یا نہیں؟

جواب: چونکہ دوسری طلاق میں بھی خاوند کو رجوع کا حق حاصل ہوتا ہے اس لیے مطلقہ کو سوائے شدید ضرورت کے گھر سے باہر نہیں جانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ ۖ لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِن بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَن يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ﴾ (سورۃ الطلاق:1)

”اور اپنے رب اللہ سے ڈرو، انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ ہی وہ خود نکلیں الا یہ کہ ان سے بدکاری کا ارتکاب ہو۔“

علماء کا تقریباً اس پر اجماع ہے کہ جس خاتون کی طلاق رجعی ہو، اسے عدت اپنے گھر ہی میں پوری کرنی چاہیے، یہاں اللہ کا حق بھی ہے اور خاوند کا بھی، خاوند چاہے سفر کی اجازت بھی دے دے لیکن اللہ کے حق کی بنا پر اسے باہر نہیں جانا چاہیے اور عمرے کا سفر ایسی شدید ضرورت نہیں ہے کہ اس کی بنا پر وہ گھر سے باہر نکلے۔

البتہ شدید ضرورت جیسے ضروریات زندگی کو خریدنے کے لیے بازار جانا یا اگر کام کرتی ہو تو کام کے لیے نکلنا اس کے لیے جائز ہے۔

عَنْ جَابِرٍ رضي الله عنه، قَالَ: طُلِّقَتْ خَالَتِي ثَلَاثًا، فَخَرَجَتْ تَجُدُّ نَخْلًا لَهَا فَلَقِيَهَا رَجُلٌ، فَنَهَاهَا، فَأَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَكَرَتْ ذَلِكَ لَهُ، فَقَالَ لَهَا: اخْرُجِي، فَجُدِّي نَخْلَكِ، لَعَلَّكِ أَنْ تَصَدَّقِي مِنْهُ، أَوْ تَفْعَلِي خَيْرًا (سنن ابوداؤد:2297)

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ان کی خالہ کو تیسری مرتبہ طلاق ہو چکی تھی۔ وہ اپنے نخلستان سے کھجور توڑنے کی غرض سے وہاں آئیں تو ایک آدمی نے انہیں دیکھ لیا اور گھر سے باہر نہ نکلنے کا حکم یاد دلایا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو انہوں نے ارشاد فرمایا: تم باہر آ سکتی ہو، کھجوروں کی فصل اتار سکتی ہو اور ہو سکتا ہے کہ اس بہانے تم تھوڑا بہت صدقہ کر سکو یا کوئی دوسرا نیک کام کر سکو۔“

☆☆☆

سوال: ایک نوجوان سوال کرتا ہے کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دے چکا ہوں۔ عدت پوری ہونے کے قریب ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ میں اپنا گھر فروخت کرنا چاہتا ہوں جو کہ آئندہ سال فروخت ہو سکے گا۔ کیا اس وقت تک ہم دونوں اسی مکان میں رہ سکتے ہیں؟ ہمارا مکان کھلا اور وسیع ہے، میری مطلقہ بیوی اسی مکان میں بالکل علیحدہ رہ سکتی ہے اور ہم دونوں کا آمنا سامنا بہت کم ہو گا لیکن اس طرح ہم اپنے بچوں کے قریب بھی رہ سکیں گے اور والدین کی ذمہ داریاں سنبھال سکیں گے۔ ایک دوسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ میں فی الوقت رجوع کر لوں اور مکان کی فروخت کے وقت اسے طلاق دے کر فارغ کر دوں؟

جواب: دونوں صورتیں قابل قبول ہیں یعنی

1۔ چونکہ آپ کا گھر کشادہ اور وسیع ہے تو آپ کی مطلقہ بیوی گھر کے ایک حصے میں اسی طرح رہ سکتی ہے جیسے کوئی کرایہ دار رہتا ہے، جس کا آپ سے کوئی آمنا سامنا نہیں ہوتا۔

2۔ دوسری صورت یہ ہے کہ آپ ابھی رجوع کر لیں لیکن نیت اصلاح احوال کی ہو، اور اگر مکان فروخت ہونے تک حالات میں بہتری پیدا نہ ہو تو پھر طلاق دے کر فارغ کر دیں۔ یہ اس لیے کہ وہ رجوع درست نہیں ہے جس میں بیوی کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ ۚ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ﴾ (سورۃ البقرہ:231)

”اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور پھر وہ اپنی عدت کے اختتام کے (قریب) ہوں تو یا تو انہیں اچھے طریقے سے روک لو اور یا پھر انہیں اچھے طریقے سے

جانے دو اور انہیں نقصان پہنچانے کے لیے مت روک کے رکھو تاکہ تم زیادتی کر سکو اور جو ایسا کرتا ہے وہ اپنی جان پر ظلم کرتا ہے۔“

بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی نیت اس خاتون کے ساتھ بھلائی ہی کی ہے کہ وہ بے گھر نہ رہے، اس لیے دوسری صورت ہو یا پہلی، کوئی حرج دکھائی نہیں دیتا۔

سوال: ایک صاحب کا سوال ہے کہ ایک سادہ قطعہ زمین کا ہبہ شرعی طور پر کیسے مکمل ہو سکتا ہے؟ اگر زمین کی ملکیت کا وثیقہ (Title Deed) موہوب لہ کے نام کر دیا جائے لیکن یہ کاغذات مالک زمین کے پاس ہی رہیں تو کیا اسے ہبہ مکمل ہونے کا نام دیا جا سکتا ہے؟

جواب: اردو داں حضرات کے لیے پہلے یہ تین اصطلاحات بیان کر دی جاتی ہیں:

واہب: ہبہ عطا کرنے والا شخص

ہبہ: وہ چیز جو ہدیۃً دی گئی۔

موہوب لہ: جس شخص کو ہدیہ دیا گیا۔

ہبہ کے احکامات اختصار کے ساتھ یہ ہیں:

1۔ ہبہ کرنا یک مستحسن اور نیک عمل ہے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

« تهادُوا فإنَّ الهديَّة تذهبُ بالسَّخيمةِ»

(مسند أحمد، جامع ترمذی)

”ہدیہ دیا کرو کہ ہدیہ کینہ، حسد وغیرہ کو دور کرتا ہے۔“

2۔ اگر موہوب لہ کا ہدیہ پر قبضہ ہو جائے تو پھر اسے واپس لینا ناجائز ہے۔ اگر اس کا قبضہ نہ ہو تو البتہ وہ واہب کی ملکیت میں رہتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«العَائِدُ فِي هِبَتِهِ كَالكَلْبِ يَعُودُ فِي قَيْئِهِ»

(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

”اپنے ہبہ کو واپس مانگنا ایسا ہی ہے جیسے کتا قے کرے اور پھر اسے چاٹنا شروع کر دے۔“

البتہ ایک والد کو اجازت ہے کہ وہ اپنے بچے سے ہبہ واپس مانگ سکتا ہے، جیسا کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

«لَا يَحِلُّ لِرَجُلٍ أَنْ يُعْطِيَ عَطِيَّةً أَوْ يَهَبَ هِبَةً فَيَرْجِعَ فِيهَا إِلَّا الْوَالِدَ فِيمَا يُعْطِي وَلَدَهُ»

”ایک آدمی کے لیے جائز نہیں کہ وہ عطیہ دے اور پھر اسے واپس مانگے سوائے والد کے کہ جس نے اپنے بچے کو کچھ دیا ہو۔“

3۔ ہبہ واہب کی ملکیت سے نکل کر موہوب لہ کی ملکیت میں آ جاتا ہے جیسے کہ بیع میں ہوتا ہے کہ فروخت کردہ چیز دوکاندار کی ملکیت سے نکل کر خریدار کی ملکیت میں آ جاتی ہے۔

مذکورہ بالا صورت میں قطعہ زمین کا ہبہ ہوا ہے، موہوب لہ کا نام ٹائٹل ڈیڈ پر درج کر دیا گیا ہے، زمین بھی اس کے قبضے میں آ چکی ہے، لیکن ٹائٹل ڈیڈ کے اصل کاغذات واہب ہی کے پاس ہیں تو اب دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

1۔ واہب ان کاغذات کو بطور امانت رکھ رہا ہے یعنی جب کبھی موہوب لہ نے کاغذ طلب کیے تو وہ فوراً دینے کا پابند ہو گا۔ ایسی صورت میں ہبہ مکمل سمجھا جائے گا۔

2۔ واہب کاغذات اس لیے اپنے پاس رکھ رہا ہے تاکہ موہوب لہ اس قطعہ زمین کو فروخت نہ کر سکے۔ گویا اس کی یہ خواہش ہے کہ موہوب لہ اس زمین سے خود تو فائدہ اٹھا سکتا ہے، وہاں رہ بھی سکتا ہے لیکن فروخت نہیں کر سکتا، یا اسے کرائے پر نہیں اٹھا سکتا تو ایسی صورت میں یہ ہبہ مشروط ہبہ ہو گیا، مکمل ہبہ تو نہ ہوا اور ایسا ہبہ ناجائز ہے۔ اس کی ایک جائز صورت ہے وہ یہ ہے کہ واہب اسے العمریٰ قرار دے دے یعنی جب تک تم زندہ ہو، یہاں رہ سکتے ہو لیکن یہ ہبہ نہ کہلائے گا۔

☆☆☆

عبد العزیز عمر العمودی کا مرکزی جمعیہ اہل حدیث برطانیہ کے دفتر کا دورہ

حیدر آباد دکن کی قدر آور شخصیت الشیخ عبد اللہ العمودی رحمہ اللہ کے فرزند شیخ عبد العزیز محمد عمر العمودی جو برطانیہ کے دورہ پر ہیں۔

انہوں نے برمنگھم میں مرکزی جمعیہ اہل حدیث برطانیہ کے دفتر کا دورہ کیا۔ ان کے ہمراہ سہیل احمد بن مولانا فضل الرحمٰن بخشی بھی تھے۔

گرین لین مسجد میں ڈاکٹر عبد الرب ثاقب نے ان کا استقبال کیا اور مولانا محمد عبد الہادی العمری صدر مجلس القضاء الاسلامی، مولانا محمد حفیظ اللہ خان المدنی، مدیر صراط مستقیم برمنگھم، قاری ذکاء اللہ سلیم، مولانا شیر خان جمیل احمد عمری، اسسٹنٹ مجلس القضاء الاسلامی برمنگھم سے مہمانوں نے ملاقات اور جمعیہ اہل حدیث برطانیہ کی نشاطات سے واقفیت حاصل کر کے مسرت اور اطمینان کا اظہار کیا۔

شیخ عبد العزیز محمد عمر العمودی دراصل یمنی الاصل اور وہاں سے ان کے آباؤ اجداد ہجرت کے لیے حیدر آباد دکن کو اپنا وطن بنا لیا اور دعوت و تبلیغ کے ذریعے انہوں نے دین اسلام کی خدمت کو اپنا وطیرہ بنا لیا ہے۔ وہ حیدر آباد دکن کے اپنے رفقاء و احباب سے ملاقات کر کے پرانی یادیں تازہ کر رہے ہیں۔

☆☆☆☆



اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ﴾ (سورۃ انفال:24)

"اے ایمان لانے والو! اللہ اور اس کے رسول کی پکار پر لبیک کہو جبکہ رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلائے جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہے اور جان رکھو کہ اللہ آدمی اس کے دل کے درمیان حائل ہے اور اسی کی طرف تم سمیٹے جاوگے۔"

مذکورہ آیت کریمہ میں حق سبحانہ تعالیٰ نے دو اہم باتیں بیان فرمائیں۔

1۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی پکار میں انسانوں کی زندگی ہے۔

2۔ انسانوں کی آخری منزل (روز محشر) کی یاد دہانی۔

نبی ﷺ کی پکار انسانوں کیلئے حقیقی زندگی

جب انسان الٰہی و نبوی تعلیم سے غفلت برتیں تو ان کا یہ عمل حقیقی زندگی کی راہ سے ہٹا کر ایک ایسی منزل تک پہنچا دیتا ہے جہاں پر انسان زندہ تو رہ سکتے ہیں مگر حقیقی زندگی کا لطف انہیں نصیب نہیں ہوتا اللہ تبارک تعالیٰ کا انسانوں پر اتنا بڑا فضل و کرم ہوا کہ

اس نے صرف ان کو پیدا نہیں کیا بلکہ سامان زندگی کے ساتھ ساتھ سامان بندگی فراہم کرنے کیلئے انبیاء و مرسلین کو مختلف ادوار میں روانہ کرتے رہا اور بعض انبیاء علیہم السلام پر اپنا کلام بھی نازل کیا اور یہ بات انتہائی خوشی و شادمانی کی ہے کہ

ہمیں ایک ایسی امت بنایا جو امت محمدیہ ﷺ کہلاتی ہے اور اس امت کے نبی ﷺ اور رسول کی خصوصیت یہ ہے کہ اب رہتی دنیا تک کیلئے آخری پیغمبر اور آپ ﷺ پر جو کلام اتارا گیا ہے یہ خدا کی طرف سے آخری پیغام ہے، جو کہ

نبی محترم محمد ﷺ کے قلبِ اطہر پر نازل کیا گیا تا کہ سارے انسان بندگی رب کو اختیار کرتے ہوئے خوشحال و بامراد، حقیقی و دائمی زندگی حاصل کر سکیں۔

اس طرح اللہ تبارک تعالیٰ، اپنے نبی ﷺ پر اپنے کلام کو نازل کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ

"اے ایمان والو! (دیکھو) اللہ اور اس کے رسول کی پکار پر لبیک کہو۔"

اللہ تبارک تعالیٰ کی پکار

اللہ تبارک تعالیٰ کی پکار قرآن مجید، فرقان حمید ہے، اس کے عین مطابق اپنا عقیدہ و عمل بنالینا ہی دراصل اللہ کی پکار پر لبیک کہنا ہے اس کتاب (قرآن حکیم) میں انسانوں کے امراض قلبی یعنی شرک و کفر، نفاق وریا فسق و فجور جیسے مہلک بیماریوں کا موثر علاج اور پرہیز واضح طور پر بتادیا گیا ہے اور جو اقوام اس سے بے اعتنائی برتیں ان کے انجام بد کو بھی صاف صاف بیان کر دیا گیا ہے کہ دیکھو فلاں فلاں قوم نے اللہ تعالیٰ کے احکام پر لبیک نہیں کہا یعنی حدود کی پامالی کی گئی تو ان کو میرے عذاب نے آگھیرا۔

اس طرح اب اہل ایمان کو تاکید کی جارہی ہے کہ اللہ کے حکم پر عمل کرنے کیلئے ہمیشہ تیار رہو کہ اسی میں تمہاری حسن حیات کی باتیں کامل طور پر موجود ہیں۔

نبی ﷺ کی آواز پر لبیک کہو

ایمان کامل کا یہ عین تقاضا ہے کہ نبی ﷺ کی پکار پر آدمی لبیک کہے جس کے بغیر انسانوں کی فلاح و کامیابی ناممکن ہے اسی لئے حکم خداوندی ہو رہا ہے کہ میرے رسول کی پکار پر لبیک کہو۔

نبی کریم ﷺ جو بھی حکم فرماتے ہیں وہ اللہ ہی کا حکم ہوتا ہے اور نبی ﷺ کی جو پکار ہے اللہ ہی کی پکار ہے۔ الغرض نبی ﷺ کی پکار، آپ کی دعوت اور آپ ﷺ کے ارشادات گرامی۔ یہ سب کے سب اللہ ہی کی طرف سے ہیں اس طرح آپ کی پکار پر لبیک کہنا اللہ کی پکار پر لبیک کہنا ہے۔ ایک دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"میرے رسول جو کچھ دیں لے لو اور جس چیز سے منع فرمادیں رک جاؤ۔"

رسول ﷺ کی پکار زندگی بخشنے والی دعوت

جس طرح بارش پڑنے سے مردہ زمین میں جان پڑتی ہے اسی طرح نبی ﷺ کی پکار پر لبیک کہنے (یعنی آپ ﷺ کے ہر حکم کی تعمیل کرنے سے حیات جاوید نصیب ہوتی ہے۔ چاہے معاملہ دنیوی زندگی کا ہو یا پھر اُخروی زندگی (بعد الموت) کا ہو غرض کہ آپ ﷺ کی پکار پر لبیک کہنے سے دنیا میں عزت کا حصول ہے تو آخرت میں بھی اللہ تبارک تعالیٰ کی مہمانی تیار ہے۔

مجموعہ تفاسیر

مفتی اعظم پاکستان، اس سلسلہ میں علماء تفسیر سے یوں نقل فرمائے ہیں۔

(1)"وہ حیات جس کا ذکر اس آیت میں ہے کیا ہے اس میں کئی احتمال ہیں اس لئے علماء تفسیر نے مختلف قول اختیار کئے ہیں۔

امام سدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ
"وہ حیات بخش چیز ایمان ہے کیونکہ کافر مردہ ہے۔"
امام قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ
"وہ قرآن ہے جس میں دنیا و آخرت کی زندگی اور فلاح مضمر ہے۔"
امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "وہ حق ہے۔"
امام ابن اسحق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ
"مراد اس سے جہاد ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عزت بخشی اور یہ سب احتمالات اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں ان میں کوئی تضاد نہیں اور مراد یہ ہے کہ ایمان یا قرآن یا اتباع حق وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جن سے انسان کا دل زندہ ہوتا ہے اور دل کی زندگی یہ ہے کہ بندہ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان جو غفلت و شہوت وغیرہ کے حجابات حائل ہیں وہ راہ سے ہٹ جائیں اور حجابات کی ظلمت دور ہو کر نور معرفت دل میں جگہ کرے۔" (معارف القرآن)
(2) مفسر قرآن صدر الافاضل مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا اقوال کے علاوہ یہ بھی تحریر فرمایا:
"بعض مفسرین نے فرمایا کہ وہ شہادت ہے اس لئے کہ شہید اپنے رب کے نزدیک زندہ ہے۔ (بر حاشیہ کنزالایمان)
(3) مولانا امین احسن اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تشریف یوں فرماتے ہیں کہ
"اللہ و رسول کی دعوت حقیقی زندگی کی دعوت ہوتی ہے اسی کو قبول کرنے سے بصارت کو بصیرت نصیب ہوتی ہے۔ اسی سے عقل کو وہ نور حاصل ہوتا ہے جو آفاق و انفس کے اسرار و حقائق سے اس کا پردہ اٹھاتا ہے اس سے دل کو وہ زندگی نصیب ہوتی ہے جو اس کو ۔۔۔ تجلیات و انوار الٰہی کا ایک آئینہ بنا دیتی ہے۔
فرمایا کہ اللہ و رسول ﷺ کی اس دعوت پر لبیک کہو اس لئے کہ اس سے تم کو حقیقی اور جاوداں زندگی حاصل ہو گی۔
سیدنا مسیح علیہ السلام نے اس حقیقت کو یوں واضح فرمایا کہ
"انسان روٹی سے نہیں جیتا بلکہ اس کلمہ سے جیتا ہے جو خدا کی طرف سے آتا ہے۔" (تدبر قرآن)

نفاق اخلاص کی ضد ہے

اللہ کے رسول ﷺ کی دعوت پر لبیک کہنے کی تعلیم فرمانے کے بعد ایک اور حقیقت کی طرف ایمان لانے والوں کو متوجہ کیا جارہا ہے یعنی انسانوں کی عارضی زندگی کے بعد جو منزل آنے والی ہے اس کی نشاندہی کی جارہی ہے کہ
جو بھی ایمان لا کر عمل صالح اختیار کریں یعنی اللہ رسول کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے اس کے عملی تقاضوں کو پورا کریں تو روز محشر اس کا پورا پورا بہترین بدلہ جنت و درجات جنت کی شکل میں عطا کیا جائے گا۔ اگر کسی شخص کے ایمان میں نفاق پایا جائے اور جو لوگ دعوی ایمان کے باوجود اللہ رسول کی پکار (دعوت) پر لبیک کہنے سے کتراتے رہے ایسے لوگوں کو چاہئے کہ وہ سوچ لیں کہ ان کا کیسا برا انجام ہونے والا ہے۔ لہٰذا منافقت چھوڑ دیں اور سچے ایماندار بن جائیں۔ کیونکہ نفاق اخلاص کی ضد ہے۔
مولانا سید مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں یوں تفہیم فرمائی، وہ لکھتے ہیں کہ
"نفاق کی روش سے انسان کو بچانے کیلئے اگر کوئی سب سے زیادہ موثر تدبیر ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ دو عقیدے انسان کے ذہن نشین ہو جائیں۔"
ایک یہ کہ معاملہ اس خدا کے ساتھ ہے جو دلوں کے حال تک جانتا ہے اور ایسا راز داں ہے کہ آدمی اپنے دل میں جو نیتیں جو خواہشیں جو اغراض و مقاصد اور جو خیالات چھپا کر رکھتا ہے وہ بھی اس پر عیاں ہیں۔
دوسرے یہ کہ جانا بہر حال خدا کے سامنے ہے۔ اس سے بچ کر کہیں بھاگ نہیں سکتے۔ یہ دو عقیدے جتنے زیادہ پختہ ہوں گے اتنا ہی انسان نفاق سے دور رہے گا اسی لئے منافقت کے خلاف وعظ و نصیحت کے سلسلہ میں قرآن ان دو عقیدوں کا ذکر بار بار کرتا ہے۔ (تفہیم القرآن)

حاصل کلام

اللہ رسول کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے انسان کو عملاً میدان میں آنا پڑتا ہے اور شیطان یہ نہیں چاہتا کہ انسان اللہ کی بندگی اور غلامی اختیار کریں اس طرح انسانوں کو عمل صالحہ کے متعلق ان کے دلوں میں ناگواری پیدا کرتا ہے لیکن جو مخلص بندے ہوتے ہیں اس کی چکر میں نہیں آتے بلکہ اللہ رسول کی خیر وسلامتی والی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے اعمال میں آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں یعنی نفس کی ناگواری اور محنت و مشقت ان راہوں میں حائل نہیں ہوتی۔
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
"جہنم کو مرغوبات نفس سے ڈھانپ دیا گیا ہے اور بہشت کو ناگوار امور سے۔" (صحیح بخاری، صحیح مسلم)
نبی کریم ﷺ کی قدر و منزلت وہی آدمی جانتا ہے جو اس کائنات کے بنانے والے خدا کی کاریگری اور اس کے کارخانہ قدرت کو دل و دماغ پر زور دیتے ہوئے سر کی آنکھوں سے دیکھتا ہو، اور جب خود اپنی طرف نظر ڈالتا ہو تو یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ
اللہ تعالیٰ نے انسان کو بنایا اور ان کی رہنمائی و رہبری کے لئے انبیاء و رسل بھیجے اور اس کی یہ آخری کڑی نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی کو قرار دیا۔
اب قیامت تک کے لئے آپ ﷺ اور آپ پر اتاری گئی کتاب قرآن حکیم ہی نجات کا واحد ذریعہ ہے۔ لہٰذا رجوع الی القرآن ہی اب آخری راستہ ہے۔

☆☆☆



اسلام نے اپنے متبعین کو عبادات میں جہاں بہت ساری سہولتیں بخشیں ہیں،وہاں دونوں نمازوں کو ایک وقت میں پڑھنے کی بھی سہولت عطا فرمائی ہے، یعنی ظہر کی نماز کے وقت میں ظہر کی نماز کے ساتھ عصر کی نماز پڑھ لینا یا عصر کی نماز کے وقت ظہر اور عصر کی نمازیں ایک ساتھ پڑھ لینا۔ اسی طرح مغرب کے وقت عشاء کی نماز پڑھنا اور عشاء کے وقت مغرب اور عشاء دونوں نمازیں پڑھنا اور اس کی حسب ذیل صورتیں ہیں:

عرفہ اور مزدلفہ میں دو نمازوں کا جمع کرنا

اللہ کے نبی ﷺ نے مقام عرفات میں خطبہ حجۃ الوداع ارشاد فرمایا، اس کے بعد ظہر اور عصر کی نمازیں قصر اور جمع تقدیم سے پڑھائیں،یعنی ظہر کی نماز کے وقت پہلے ظہر کی فرض نماز دو رکعت پڑھائیں، اس کے فوری بعد نماز عصر کی فرض دو رکعت پڑھائیں۔

جیسا کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ظہر اور عصر کی نمازوں کو عرفہ کے دن ظہر کے وقت جمع کرکے ادا فرمایا۔(صحیح مسلم)

اسی طرح مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازیں قصر اور جمع مؤخر پڑھائیں یعنی عرفات سے غروب آفتاب کے وقت مزدلفہ پہنچ کر عشاء کے وقت مغرب کی تین رکعت اور عشاء کی فرض نماز قصر کے ساتھ دو رکعت پڑھائیں۔ جیسا کہ

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مزدلفہ میں نبی کریم ﷺ نے مغرب اور عشاء کی نمازوں کو جمع کیا، دونوں نمازوں کے لیے ایک اذان کہی گئی، البتہ دونوں نمازوں کے لیے دو اقامتیں کہی گئیں اور ان نمازوں کے شروع، درمیان اور آخر میں کوئی نفل نماز ادا نہیں فرمائی۔(صحیح بخاری)

واضح ہو کہ دو نمازوں کو تقدیم یا تاخیر سے جمع کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے اذان دی جائے گی،اس کے بعد پہلی نماز کی اقامت کہی جائے گی، اس نماز سے فارغ ہونے کے فوری بعد دوسری نماز کی اقامت کہی جائے گی اور دوسری نماز ادا کی جائے گی۔ مکہ کے حاجی بھی عرفات میں جمع تقدیم وقصر کریں گے، اسی طرح مزدلفہ میں بھی جمع تاخیر اور قصر سے پڑھیں گے، اس لیے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ مکہ کے لوگ بھی تھے،وہ لوگ بھی آپ کی اقتدا میں جمع وقصر کیے،پوری نہیں پڑھے۔

مقام عرفات میں کئی لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ امام کے ساتھ ظہر اور عصر کی نمازیں ادا نہیں کرتے بلکہ وہ ظہر کی مکمل چار رکعت پڑھتے ہیں اور پھر عصر کے وقت عصر کی چار رکعت پڑھتے ہیں اور اس کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ

امام صاحب چونکہ مسافر ہیں،اس کے لیے قصر اور جمع جائز ہے مگر ہم مسافر نہیں ہیں، اس لیے ہمارے یہ جائز نہیں ہے! جب ان سے کہا جاتا ہے کہ مسافر تو آپ ہیں،اس لیے کہ

آپ دوسرے ملک سے یہاں آئے ہوئے ہیں اور امام صاحب تو اسی ملک کے باشندے ہیں تو کہتے ہیں کہ امام صاحب کو یہاں لانے سے پہلے انہیں ہوائی جہاز میں بٹھا کر خوب پھرایا جاتا ہے تاکہ وہ مقیم نہ رہیں بلکہ مسافر ہو جائیں۔ بہرحال اس طرح جاہلانہ باتیں بنا کر امیر الحج و امام الحج کی اقتداء میں نمازیں ادا کرنے سے محروم رہتے ہیں۔ دراصل ان جہلا کو ان کے گمراہ پیروں، فقیروں اور مولویوں نے یہ سبق پڑھایا ہے کہ

تم جہاں جارہے ہو اس ملک میں بدعقیدہ لوگ ہیں، اس لیے ان کی اقتدا میں نمازیں پڑھنا جائز نہیں ہے۔ تمہاری نمازیں قبول نہیں ہوں گی۔ لہٰذا تم اپنی علیحدہ پڑھو اور کئی بدبخت ایسے ہیں جو کہ مسجد حرام اور مسجد نبوی ﷺ کی جماعتوں میں بھی شامل نہیں ہوتے بلکہ اپنی رہائش گاہوں میں ہی نمازیں پڑھتے ہیں، ان بدبخت پیشواؤں کے دام فریب میں آنے والے اکثر پاک و ہند کے لوگ ہوتے ہیں کیونکہ انہیں یاباور کرایا گیا ہے کہ

پیروں اور مرشدوں کے بغیر تم جنت میں جا نہیں سکتے، اس لیے یہ سادہ عوام ان کے مرید اور معتقد بن جاتے ہیں جس طرح ہندوؤں میں ہریجن، برہمنوں کے بغیر اپنی نجات ناممکن سمجھتے ہیں، اسی طرح یہ سادہ لوح مسلمان بھی ان پیشواؤں کے بغیر اپنی نجات کو ناممکن سمجھتے ہیں۔ اس طرح خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق ثابت ہوتے ہیں!!

سفر میں دونوں نمازوں کو جمع کرنا

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ

رسول کریم ﷺ سفر میں ظہر اور عصر کی نمازوں کو جمع کرکے ایک ساتھ پڑھتے تھے، اسی طرح مغرب اور عشاء کو جمع کرکے ایک ساتھ پڑھتے تھے۔(صحیح بخاری:1107)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اللہ کے رسول ﷺ یہ

تم سفر میں ظہر اور عصر کو جمع کر کے ایک ساتھ پڑھتے تھے اور اسی طرح مغرب اور عشاء کو جمع کر کے ایک ساتھ پڑھتے تھے۔ دونوں نمازوں کو اکٹھی پڑھنے کے دو طریقے ہیں:

ایک جمع تقدیم یعنی ظہر کی نماز کے وقت عصر کو بھی پڑھنا اور مغرب کے وقت عشاء کی نماز بھی پڑھ لیتا۔ دوسرا طریقہ جمع تاخیر ہے یعنی عصر کی نماز کے وقت ظہر اور عصر کو پڑھنا اور عشاء کی نماز کے وقت مغرب اور عشاء کی نماز کو پڑھنا۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر کے لئے روانہ ہوتے اور زوال کا وقت ہو چکا ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز کے ساتھ عصر کی نماز کو بھی پڑھ لیتے اور زوال نہیں ہوتا تو سفر شروع فرما دیتے اور عصر کی نماز کے وقت ظہر اور عصر کو ایک ساتھ پڑھتے ، اسی طرح جب سورج غروب ہو جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کے وقت ، مغرب اور عشاء دونوں نمازیں ایک ساتھ پڑھ لیتے اور اگر سورج غروب ہونے سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر شروع فرما دیتے تو عشاء کے وقت میں مغرب اور عشاء دونوں نمازوں کو ایک ساتھ پڑھ لیتے یعنی قصر کے ساتھ دونوں نمازوں کو جمع کرتے۔(سنن ابوداؤد:1220)

دوران سفر ایک مقام پر اقامت پذیر ہونے پر دو نمازوں کا جمع کرنا

مذکورہ حدیث سفر کے دوران نمازوں کو مقدم یا مؤخر کر کے جمع کر کے پڑھنے کے متعلق ہے، لیکن اگر سفر جاری نہیں ہے بلکہ ایک جگہ پڑاؤ ڈال کر قیام کر چکے ہیں، وہاں قیام کے دوران بھی چاہیں تو دو نمازوں کو جمع کر کے ایک وقت میں پڑھ سکتے ہیں۔

جیسا کہ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک میں ایک مرتبہ ظہر کو مؤخر فرمایا، پھر اپنے خیمے سے نکل کر ظہر اور عصر کی نمازیں ایک ساتھ پڑھیں، پھر اپنے خیمے میں داخل ہو گئے ، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خیمے سے نکلے اور مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک ساتھ پڑھیں۔(صحیح مسلم)

بارش کے وقت دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھنا

شدید بارش ہو اور راستہ میں پانی جمع ہو جائے یا کیچڑ کے سبب مسجد کو آنا مشکل ہو جائے تو ایسے وقت مغرب کے وقت مغرب اور عشاء کو جمع کر کے پڑھنا جائز ہے۔

سیدنا ابو سلمہ بن عبد الرحمن سے بیان کرتے ہیں کہ بارش کے وقت دونوں نمازوں کو جمع کرنا سنت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بارش کے وقت مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھی ہیں۔(سنن اثرم)

جو مسجد میں مقیم ہوں یا مسجد کے بالکل قریب ہوں یا جو اپنے گھر میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے ہوں، یا جن کے پاس بارش سے بچنے کا کوئی انتظام ہو تو ایسے لوگوں کے لئے دو نمازوں کو جمع کرنا جائز نہیں ہے۔ (خلاصہ فقہ السنہ الشیخ السید السابق:ج1)

آج کل چونکہ برصغیر کے مسلمانوں کی اکثریت اپنے اماموں کی اندھی تقلید میں مبتلا ہے، ان کے خواص کا تعلق اپنے ائمہ کرام کی فقہ تک محدود ہوتا ہے، اس لئے مقررہ فقہی مسائل کے خلاف اجتہاد کو باطل اور ناجائز ٹھہراتے ہیں، ان کے پاس بارش ہو کہ طوفان، آندھی ہو کہ ژالہ باری، ان کی مساجد میں احادیث صحیحہ پر عمل آوری سے مکمل محرومی ہے!

البتہ عربوں، سلفیوں اور اہل حدیثوں کی مساجد میں اس سنت پر عمل آوری آج بھی جاری ہے۔ الحمد للہ

حضر میں کسی مرض یا عذر کی وجہ سے دو نمازوں کو جمع کرنا

اگر کوئی ایسی بیماری ہو کہ ہر نماز کے لئے وضو بنانے وغیرہ میں تکلیف اور مشقت لاحق ہوتی ہو تو مقیم لوگ جو سفر میں نہ ہوں بلکہ حضر میں ہوں تو ان کے لئے بھی شریعت نے اجازت دی ہے کہ وہ دو نمازیں یعنی ظہر اور عصر اور مغرب اور عشاء کو تقدیم و تاخیر کے ساتھ جمع کر کے پڑھ سکتے ہیں مثلاً چھوٹے بچوں کو دودھ پلانے والی عورت جس کو ہر نماز کے لئے کپڑے دھونے پڑتے ہوں، اسی طرح استحاضہ کے مرض میں مبتلا خواتین یا جنہیں سلسلۃ البول (پیشاب کپڑوں میں نکل جانے) کی بیماری لاحق ہو یا جو طہارت حاصل کرنے سے عاجز ہوں یا جنہیں اپنی جان، مال یا عزت و آبرو کا ڈر ہو یا جنہیں نمازیں جمع کر کے نہ پڑھنے سے ان کی معیشت پر برا اثر پڑنے کا خوف ہو تو ایسے سارے عذر والے اشخاص ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو جمع کر کے پڑھ سکتے ہیں۔

نسائی میں ایک مرفوع حدیث ہے جس میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

”باورچی اور نان بائی اور اسی طرح کے لوگ کہ جن کو اپنے مال کے خراب ہونے کا ڈر ہو تو وہ بھی دو نمازوں کو جمع کر سکتے ہیں۔“(فقہ السنہ، ج1)

حضر میں بغیر کسی خوف اور بارش کے دو نمازوں کو جمع کرنا

یہ مسئلہ گزر چکا ہے کہ کسی خوف، عذر اور بارش کی وجہ سے دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھ سکتے ہیں، یہاں یہ مسئلہ ہے کہ مذکورہ وجوہات میں سے کوئی بھی وجہ نہیں ہے لیکن پھر بھی کبھی کبھار دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، مگر اس کو معمول نہ بنالیا جائے، نہ ہی امام مسجد یا مسجد کی کمیٹیوں کو اس عمل کو لازمی سمجھتے ہوئے اس کے لئے مجبور کیا جائے۔ جیسا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو بغیر کسی خوف اور بارش کے مدینہ میں جمع فرمایا۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی وجہ دریافت کی گئی تو انہوں نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو مشقت میں مبتلا کرنا نہیں چاہتے تھے۔(صحیح مسلم)

حضر میں جمع کی جانے والی نمازیں مکمل ادا کی جائیں گی، جیسا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سات اور آٹھ رکعات جمع کرکے پڑھیں، یعنی ظہر وعصر اور مغرب و عشاء کی نمازیں (بغیر کسی عذر، خوف اور بارش کے) جمع کرکے پڑھیں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

سیدنا عبداللہ بن شقیق رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک دن عصر کی نماز کے بعد ہمیں خطبہ دیا، یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا اور تارے نکل آئے تو لوگ الصلاۃ الصلاۃ (نماز نماز) کہنے لگے، انہوں نے کہا کہ

بنی تیم کا ایک آدمی ان کے کے پاس آیا اور حمد وثناء کے بغیر ہی الصلاۃ الصلاۃ کہنے لگا تو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سے کہا کہ

کیا تو مجھے سنت کی تعلیم دے رہا ہے؟ تو اپنی ماں سے محروم ہو! پھر انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کی نمازوں کو جمع فرماتے ہوئے دیکھا ہے۔

سیدنا عبداللہ بن شقیق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ بات میرے دل میں کھٹکی (یعنی مجھے شک پیدا ہو گیا کہ ان کی یہ بات صحیح ہے یا نہیں؟) تو میں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس بات کی تصدیق چاہی تو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کی تصدیق فرمائی۔ (صحیح مسلم)

☆☆☆

ایک اہم اعلان

سعودی عرب سے مطبوعہ قرآن مجید کی اردو داں حضرات کے لیے اشد ضرورت ہے۔ اگر کسی کے پاس قرآن مجید کے سعودی عرب سے پرنٹ کیے ہوئے نسخے موجود ہوں تو وہ درج ذیل نمبر پر رابطہ کرے۔ جزاکم اللہ خیرا

07883003426

07504953232

☆☆☆

عقل، عیاری اور جہل کے مدارج و مراتب

لفظِ عقل کا اطلاق درست طرزِ عمل کی معرفت اور غلطیوں سے اجتناب کے علم پر ہوتا ہے۔ جب انسان عقل کے پہلے درجے پر ہوتا ہے تو "ادیب" کہلاتا ہے؛ اس کے بعد "اریب"، پھر "لبیب" اور آخر میں "عاقل" کا خطاب پاتا ہے۔ اسی طرح جب انسان چالاکی و ہوشیاری کی سرحد میں قدم رکھتا ہے تو اُسے "شیطان" کہا جاتا ہے؛ پھر جب وہ سرکشی میں بڑھ جاتا ہے تو اسے "مارد" کہتے ہیں۔ جب اس میں اور ترقی کرتا ہے تو اسے "عبقری" کے عنوان سے یاد کیا جاتا ہے۔ اگر وہ اپنی خباثت کے ساتھ شدید قسم کا شر بھی جمع کر لے تو اسے "عفریت" کہہ کر پکارتے ہیں۔ ایسے ہی "جاہل" ہے؛ یہ پہلے مرتبے میں "مائق"، پھر "رقیع"، پھر "انوک" اور پھر "احمق" کہلاتا ہے۔

حاشیہ: عبقری کی اصل عبقر ہے جو عربوں کی دانست میں جنات کا مسکن ہے؛ پھر ہر چیز جو ان کی نظر میں بڑی اور دسترس سے باہر ہو اسے عبقری کہہ دیتے ہیں۔ (محدث ابن حبان، روضۃ العقلاء، ص16-17؛ انتخاب وترجمہ: طاہر اسلام رانا)

خراج عقیدت ومحبت

استاذ محترم مرے استاذ محترم — رب کریم خاص کرے آپ پہ کرم
خدمات جو بھی ہیں وہ عظیم وکبیر ہیں — ان کی کوئی نظیر نہیں، بے نظیر ہیں
تھی زندگی حسین مگر صاف وسادہ تھی — عقبیٰ کی فکر آپ کو بے حد زیادہ تھی
تقریر میں بھی درک تھا، تحریر باکمال — نزدیک و دور جس کی نہیں ہے کوئی مثال
اردو ہو یا کہ عربی مہارت تھی آپ کو — علم وادب سے اک محبت تھی آپ کو
عامل تو ایسے سنت خیر الوریٰ پہ تھے — قربان جان و دل سے سدا مصطفیٰ پہ تھے
شاگرد ابن باز کے البانی کے بھی تھے — گویا ہر ایک پہلو سے اونچے سدا رہے
ثاقب دعا ہے میری إلٰہ کریم سے — فردوس ہو عطا نہیں لطف رحیم سے

ڈاکٹر عبدالرب ثاقب ڈڈلی



انفاق کی فضیلت اور بخل کی مذمت

اللہ تعالیٰ خرچ کرنے والوں کی تعریف میں فرماتا ہے:

﴿وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ، الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ﴾ (سورہ آل عمران:133)

”اپنے رب کی مغفرت اور جنّت کی طرف جلدی کرو (وہ جنّت) کہ جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے، وہ ان متّقین کے لیے تیار کی گئی ہے جو خوشحالی و تنگی میں خرچ کرتے ہیں۔“

ایک مقام پہ اللہ تعالیٰ بخیل لوگوں کی مذمت میں فرماتا ہے:

﴿وَاللهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ، الَّذِينَ يَبْخَلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ﴾

”اور اللہ تعالیٰ اِترانے والے شیخی خوروں کو پسند نہیں فرماتا، جو خود بھی بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخیلی سے کام لینے کا کہتے ہیں۔“ (سورۃ الحدید:24)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا مِنْ يَوْمٍ يُصْبِحُ الْعِبَادُ فِيهِ إِلَّا مَلَكَانِ يَنْزِلَانِ، فَيَقُولُ أَحَدُهُمَا: اللّٰهُمَّ أَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا، وَيَقُولُ الْآخَرُ: اللّٰهُمَّ أَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا» (صحیح بخاری، کتاب الزكاة، باب قول الله تعالى: ﴿فأما من أعطى واتقى، وصدق بالحسنى...﴾:1442، صحیح مسلم، كتاب الزكاة، باب في المنفق والممسك: 1010)

”کوئی دِن ایسا نہیں ہوتا کہ جب بندے صبح کو اُٹھتے ہیں تو (آسمان سے) دو فرشتے اترتے ہیں، ان میں سے ایک کہتا ہے: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس کا اچھا بدلہ دے اور دوسرا کہتا ہے: اے اللہ! مال کو (خرچ کرنے سے) روک رکھنے والے کا مال تلف کر دے۔“

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَثَلُ الْمُنْفِقِ وَالْبَخِيلِ كَمَثَلِ رَجُلَيْنِ عَلَيْهِمَا جُبَّتَانِ مِنْ حَدِيدٍ مِنْ لَدُنْ ثَدْيِهِمَا إِلَىٰ تَرَاقِيهِمَا، فَإِذَا أَرَادَ الْمُنْفِقُ أَنْ يُنْفِقَ سَبَغَتِ الدِّرْعُ عَلَيْهِ، أَوْ مَرَّتْ حَتَّى تُجِنَّ بَنَانَهُ، وَتَعْفُوَ أَثَرَهُ، وَإِذَا أَرَادَ الْبَخِيلُ أَنْ يُنْفِقَ قَلَصَتْ عَلَيْهِ يَعْنِي الدِّرْعَ، وَلَزِمَتْ كُلُّ حَلْقَةٍ مَوْضِعَهَا حَتَّى أَخَذَتْ بِعُنُقِهِ أَوْ بِتَرْقُوَتِهِ فَهُوَ يُوَسِّعُهَا وَهِيَ لَا تَتَّسِعُ.» (صحیح بخاری، كتاب الزكاة، باب مثل المتصدق والبخيل: 1443- صحیح مسلم، كتاب الزكاة، باب مثل المنفق والبخيل:1021)

”خرچ کرنے والے اور کنجوسی کرنے والے کی مثال ان دو آدمیوں کی طرح ہے جو لوہے کے دو کُرتے زیب تن کیے ہوئے ہوں، جو چھاتی سے لے کر ہنسلی تک ہوں۔ جب خرچ کرنے والا خرچ کرنا چاہتا ہے تو وہ کُرتا کشادہ ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ اس کے سارے جسم کو چھپالیتا ہے اور اس کے نشانات کو مٹاتا جاتا ہے اور جب کنجوس خرچ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ کُرتا سُکڑ جاتا ہے اور اس کا ہر حلقہ اپنی جگہ سے چمٹ جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ اس کی گردن کو یا اس کی ہنسلی کو پکڑ لیتا ہے، بخیل اسے کشادہ کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن وہ کشادہ نہیں ہوپاتا۔“

مطلب یہ ہے کہ سخی شخص خرچ کرنے سے فرحت محسوس کرتا ہے اور اس کا دِل فراخ و کشادہ ہو جاتا ہے جبکہ بخیل پہلے ہی مرحلے میں تنگ زِرہ کی طرح اپنے ہاتھوں کو اپنے جسم سے چمٹا لیتا ہے اور انہیں اپنی جیب تک جانے ہی نہیں دیتا کہیں وہ اپنا مال کم نہ کر بیٹھے، اس طرح اسے خرچ کرنے کی توفیق ہی نہیں مل پاتی اور یُوں وہ فرحت و کشادگی سے محروم رہتا ہے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِيَّاكُمْ وَالْفُحْشَ، فَإِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْفَاحِشَ وَالْمُتَفَحِّشَ، وَإِيَّاكُمْ وَالظُّلْمَ فَإِنَّهُ عِنْدَ اللهِ ظُلْمَةٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَإِيَّاكُمْ وَالشُّحَّ وَالْبُخْلَ فَإِنَّهُ دَعَا مَنْ قَبْلَكُمْ إِلَىٰ أَنْ يَقْطَعُوا أَرْحَامَهُمْ فَقَطَعُوهَا، وَدَعَاهُمْ إِلَىٰ أَنْ يَسْتَحِلُّوا مَحَارِمَهُمْ فَاسْتَحَلُّوهَا، وَدَعَاهُمْ إِلَىٰ أَنْ يَسْفِكُوا دِمَاءَهُمْ فَسَفَكُوهَا.» (مسند أحمد: 302- صحيح ابن حبان: 1561- سلسلة الأحاديث الصحيحة: 357/2)

”بے حیائی سے بچو کیونکہ اللہ تعالیٰ بے حیائی کا مظاہرہ کرنے والے اور گالیاں بکنے والے کو پسند نہیں فرماتا، ظلم کرنے سے بھی خود کو بچائے رکھو کیونکہ ظلم روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کے ہاں اندھیرے کا باعث ہو گا اور انتہائی کنجوسی اور بخیلی سے بچو کیونکہ تم سے پہلے لوگوں کو اسی نے اپنے رشتے داروں سے قطع تعلق پر

مجبور کیا اور انہوں نے رشتے ناتے توڑ ڈالے، اسی نے انہیں حرام امور کو حلال کرنے پر اکسایا اور اسی نے انہیں اپنے خون بہانے پر بھڑکایا اور انہوں نے خون بہائے۔“

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«شَرُّ مَا فِي الرَّجُلِ شُحٌّ هَالِعٌ، وَجُبْنٌ خَالِعٌ» (سنن أبوداؤد، كتاب الجهاد، باب في الجرأة والجبن:2511 -سلسلة الأحاديث الصحيحة:560)

”آدمی میں جو بُری خصلتیں ہو سکتی ہیں (وہ یہ ہیں) کہ (ایک تو وہ) کچے دِل والا انتہائی کنجوس ہو اور (دوسرا) دِل چھوڑ دینے والا انتہائی بُزدِل ہو۔“

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مرفوعاً مروی ہے کہ

«لَا يَجْتَمِعُ الشُّحُّ وَالْإِيمَانُ فِي قَلْبِ عَبْدٍ» (السنن الكبرى للبيهقي: 161/9-مستدرك حاكم: 72/2 -السنن الكبرى للنسائي:4319-صحيح الجامع للألباني: 7616)

”ایک بندے کے دِل میں کنجوسی اور ایمان اکٹھے نہیں ہو سکتے۔“

گویا کنجوسی ایمان کے منافی امور میں سے ہے، جس دِل میں ایمان ہو گا اس میں کنجوسی نہیں ہو سکتی اور جس میں کنجوسی ہو گی وہ ایمان سے قاصر ہو گا۔

نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (سورۃ المائدۃ:2)

”اور تم نیکی اور پرہیزگاری کے معاملے میں ایک دوسرے سے تعاون کیا کرو، برائی اور زیادتی کے سلسلے میں تعاون مت کیا کرو۔“

سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ الْمُؤْمِنَ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا». وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ » (صحيح بخارى، كتاب الأدب، باب تعاون المؤمنين بعضهم بعضا: 6026-صحيح مسلم، كتاب البروالصلة، باب تراحم المؤمنين وتعاطفهم وتعاضدهم: 2585)

”ایک مومن دوسرے مومن کے لیے عمارت کے مانند ہے، جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو مضبوط کرتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرماتے ہوئے اپنی انگلیوں کے درمیان تشبیک دی۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تشبیک دے کر یعنی ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کے دونوں ہاتھوں کو آپس میں مضبوطی سے ملا کر فرمایا کہ ایسے ہی ایک مومن دوسرے مومن کے لیے مضبوطی کا باعث ہوتا ہے۔

سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا:

«إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ مِثْلُ رَجُلٍ - أَوْ كَرَجُلٍ - وَاحِدٍ، وَإِذَا اشْتَكَى عَيْنَاهُ اشْتَكَى كُلُّهُ، وَإِذَا اشْتَكَى رَأْسُهُ اشْتَكَى كُلُّهُ.» (صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب تراحم المؤمنين وتعاطفهم وتعاضدهم: 2586)

”تمام مسلمان (آپس میں) ایک ہی آدمی کے مانند ہیں، جب اس کی آنکھوں کو تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم ہی تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے اور (اسی طرح) جب اس کا سر درد ہوتا ہے تو سارا جسم ہی درد ہونے لگتا ہے۔“

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«الْمُؤْمِنُ مِرْآةُ الْمُؤْمِنِ، وَالْمُؤْمِنُ أَخُو الْمُؤْمِنِ، حَيْثُ لَقِيَهُ يَكُفُّ عَلَيْهِ ضَيْعَتَهُ، وَيَحُوطُهُ مِنْ وَرَائِهِ.» (سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب في النصيحة والحياطة: 4918-الأدب المفرد للبخارى:239-سلسلة الأحاديث الصحيحة: 926)

”مومن، مومن کا آئینہ ہے، مومن، مومن کا بھائی ہے، جہاں کہیں بھی وہ اسے ملتا ہے اس کو نقصان سے بچاتا ہے اور اس کی عدم موجودگی میں اس کی عزت کی حفاظت کرتا ہے۔“

اس کی عدم موجودگی میں اس کی حفاظت کرنے کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اس کی عدم موجودگی میں اس کی بُرائی بیان نہ کرے، اس کی غیبت اور چُغلی نہ کرے، اس پر تہمت والزام نہ لگائے اور اس کے عیوب بیان نہ کرے، دوسرا مطلب یہ کہ اگر وہ گھر میں موجود نہ ہو تو اس کے گھر والوں کی اور اس کے مال کی حفاظت کرے، اس کی عزت کا محافظ بنے اور اسے رسوا نہ کرے۔

سیدنا سالم بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ، لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ، وَمَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللّٰهُ فِي حَاجَتِهِ، وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ بِهَا كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ سَتَرَ عَلَى مُسْلِمٍ سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» (صحيح بخارى، كتاب المظالم، لا يظلم المسلم المسلم ولا يسلمه: 2442-صحيح مسلم، كتاب البروالصلة، باب تحريم الظلم: 2580)

”مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، وہ نہ تو اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ ہی اسے تنہا چھوڑتا ہے اور جو شخص اپنے (مسلمان) بھائی کی ضرورت پوری کرنے میں لگتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت پوری کرنے میں لگ جاتا ہے اور جو کسی مسلمان کا دُکھ دُور کرتا ہے اللہ تعالیٰ

روزِ قیامت اس کا دُکھ دُور کرے گا اور جس نے کسی مسلمان کے عیب پر پردہ ڈالا اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اس کے گناہوں پر پردہ ڈالے گا۔"

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ نَفَّسَ عَنْ أَخِيهِ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ سَتَرَ عَلَى مُسْلِمٍ سَتَرَ اللهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَمَنْ يَسَّرَ عَلَى مُسْلِمٍ يَسَّرَ اللهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَاللهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ، وَمَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَبْتَغِي بِهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللهُ بِهِ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ، وَمَا جَلَسَ قَوْمٌ فِي مَسْجِدٍ مِنْ مَسَاجِدِ اللهِ يَتْلُونَ فِيهِ كِتَابَ اللهِ وَيَتَدَارَسُونَهُ بَيْنَهُمْ إِلَّا حَفَّتْ بِهِمُ الْمَلَائِكَةُ، وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمُ الرَّحْمَةُ، وَذَكَرَهُمُ اللهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ، وَمَنْ أَبْطَأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ» (صحيح مسلم، كتاب الذكر والدعاء، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر: 2699)

"جس نے اپنے (مسلمان) بھائی سے دنیا کی پریشانیوں میں سے کوئی پریشانی دُور کی تو اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کے دِن کی پریشانیوں میں سے ایک پریشانی دُور کردے گا، جس نے کسی مسلمان (کے عیوب) کی پردہ پوشی کی اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس (کے عیوب) پر پردہ ڈالے گا، جس نے کسی مسلمان کے لیے آسانی پیدا کی اللہ تعالیٰ اس کے لیے دنیا و آخرت میں آسانیاں پیدا کر دے گا، اللہ تعالیٰ تب تک بندے کی مدد میں رہتا ہے جب تک بندہ اپنے (مسلمان) بھائی کی مدد میں رہتا ہے، جو شخص حصولِ علم کی نیّت سے گھر سے نکلے اللہ تعالیٰ اس کی (اس نیکی) وجہ سے جنّت کا راستہ اس کے لیے آسان کر دیتا ہے، جو لوگ اللہ تعالیٰ کی مساجد میں سے کسی بھی مسجد میں فقط کتاب اللہ کی تلاوت اور اسے مل کر پڑھنے اور سمجھنے کے لیے بیٹھتے ہیں فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں، رحمت ان پہ سایہ فگن ہوجاتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ذکر اپنے پاس موجود افراد کے پاس کرتا ہے اور جسے اس کے عمل نے پیچھے چھوڑ دیا اسے اس کا نسب آگے نہیں بڑھا سکتا۔"

حدیث میں بیان آخری بات کا مطلب یہ ہے کہ آخرت میں صرف اور صرف نیک اعمال ہی کام آئیں گے۔ اگر کسی کے پاس اعمال نہ ہوئے تو وہ حسب و نسب کے لحاظ سے خواہ کتنا ہی عظیم کیوں نہ ہو، اس کی نجات کا ذریعہ نہیں بن پائے گا۔ وہاں صرف نیک اعمال یا اللہ کی رحمت ہی بچا پائے گی۔ اگر نسب کی وجہ سے رعایت ہوتی تو نبی ﷺ اپنی پیاری صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے یہ نہ فرماتے کہ نیک اعمال کرلو، کیونکہ روزِ قیامت میں تمہارے کسی کام نہیں آسکوں گا۔

سیدنا ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

أَتَى النَّبِيَّ ﷺ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا نَبِيَّ اللهِ أُبْدِعَ بِي فَاحْمِلْنِي، فَقَالَ: «مَا عِنْدِي مَا أَحْمِلُكَ عَلَيْهِ، وَلَكِنِ ائْتِ فُلَانًا»، فَأَتَاهُ فَحَمَلَهُ، فَأَتَى رَسُولَ اللهِ ﷺ فَأَخْبَرَهُ بِذَلِكَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ دَلَّ عَلَى خَيْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهِ.»

(صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب فضل إعانة الغازي في سبيل الله بمركوب وغيره، وخلافته في أهله بخير: 1893-سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب في الدال على الخير: 5129-سنن ترمذى، أبواب العلم، باب ما جاء الدال على الخير كفاعله: 2671)

"نبی ﷺ کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے عرض کیا: اے پیغمبرِ خدا! میری سواری ہلاک ہوگئی ہے مجھے کوئی سواری عنایت کر دیجیے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس تو کوئی سواری نہیں ہے جو میں تجھے دوں، لیکن فلاں شخص کے پاس جا (وہ تجھے دیدے گا۔) چنانچہ وہ آدمی اس کے پاس گیا تو اس نے اسے سواری دے دی، وہ (دوبارہ) رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ کو اس کا بتلایا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے بھلائی کے کام پر کسی کی راہنمائی کی تو اسے بھی بھلائی کرنے والے کے اجر و ثواب جتنا اجر ملے گا۔"

یعنی نیکی اور بھلائی کا کام کرنے والے کو تو اجر و ثواب ملنا ہی ہے، لیکن جو شخص اسے نیکی کی راہ دکھاتا ہے اسے بھی نیکی کرنے والے کے مثل اجر و ثواب ملتا ہے۔ گویا نیک کام کی راہنمائی کرنا خود نیکی کرنے کے مترادف ہے۔

سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَةٌ»، قَالُوا: فَإِنْ لَمْ يَجِدْ؟ قَالَ: «فَلْيَعْمَلْ بِيَدِهِ فَيَنْفَعُ نَفْسَهُ وَيَتَصَدَّقُ»، قَالُوا: فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ أَوْ لَمْ يَفْعَلْ؟ قَالَ: «فَيَأْمُرُ بِالْخَيْرِ». أَوْ قَالَ: «بِالْمَعْرُوفِ»، قَالُوا: فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ؟ قَالَ: «فَلْيُمْسِكْ عَنِ الشَّرِّ فَإِنَّهُ لَهُ صَدَقَةٌ.»

(صحيح بخارى، كتاب الزكاة، باب على كل مسلم صدقة، فمن لم يجد فليعمل بالمعروف: 1445-صحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب بيان أن اسم الصدقة يقع على كل نوع من المعروف: 1008)

"ہر مسلمان پر صدقہ کرنا لازم ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اگر اس کے پاس کچھ نہ ہو تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر وہ اپنے ہاتھ سے کچھ کما کر خود بھی فائدہ اٹھائے اور صدقہ بھی کر دے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اگر وہ اس کی بھی استطاعت نہ رکھے، یا وہ ایسا نہ کرے تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر وہ (لوگوں کو)

بھلائی اور نیکی کی ترغیب دے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: اگر وہ یہ بھی نہ کرے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر وہ (لوگوں کو) برائی سے روکے، یقیناً یہ بھی اس کے لیے صدقہ ہے۔"

معلوم ہوا کہ ہر مسلمان صدقہ کرنے کا اہل ہوتا ہے، لازمی نہیں کہ وہ مالی صدقہ ہی کرے بلکہ اس حدیث کے مطابق لوگوں کو نیکی کے کاموں کی ترغیب دینا اور برائی کے کاموں سے منع کرنا بھی صدقہ ہی ہے۔

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«كُلُّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ» (صحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب بيان أن اسم الصدقة يقع على كل نوع من المعروف: 1005- سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب في المعونة للمسلم:4947)

"ہر نیک کام صدقہ ہے۔"

یعنی خیر و بھلائی اور نیکی کا ہر وہ کام جو اللہ کی رضا اور لوگوں کے فائدے کا باعث بنے وہ صدقہ ہے، اس میں تعبدی امور کے علاوہ اخلاقیات اور معاشرت کے تمام امور شامل ہیں۔

سیدنا ابو سلام بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ كُلَّ يَوْمٍ طَلَعَتْ فِيهِ الشَّمْسُ صَدَقَةٌ مِنْهُ عَلَى نَفْسِهِ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! مِنْ أَيْنَ نَتَصَدَّقُ وَلَيْسَ لَنَا أَمْوَالٌ؟ قَالَ:

«إِنَّ مِنْ أَبْوَابِ الصَّدَقَةِ التَّكْبِيرُ، وَسُبْحَانَ اللهِ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ، وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَاللهُ أَكْبَرُ، وَأَسْتَغْفِرُ اللهَ، وَتَأْمُرُ بِالْمَعْرُوفِ، وَتَنْهَى عَنِ الْمُنْكَرِ، وَتَعْزِلُ الشَّوْكَةَ عَنْ طَرِيقِ النَّاسِ وَالْعَظْمَ وَالْحَجَرَ، وَتَهْدِي الْأَعْمَى، وَتُسْمِعُ الْأَصَمَّ وَالْأَبْكَمَ حَتَّى يَفْقَهَ، وَتُدِلُّ الْمُسْتَدِلَّ عَلَى حَاجَةٍ لَهُ قَدْ عَلِمْتَ مَكَانَهَا، وَتَرْفَعُ بِشِدَّةِ ذِرَاعَيْكَ مَعَ الضَّعِيفِ، وَتَسْعَى بِشِدَّةِ سَاقَيْكَ إِلَى اللَّهْفَانِ الْمُسْتَغِيثِ، كُلُّ ذَلِكَ مِنْ أَبْوَابِ الصَّدَقَةِ مِنْكَ عَلَى نَفْسِكَ، وَلَكَ فِي جِمَاعِ زَوْجَتِكَ أَجْرٌ» قَالَ أَبُو ذَرٍّ: كَيْفَ يَكُونُ لِي أَجْرٌ فِي شَهْوَتِي؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

«أَرَأَيْتَ لَوْ كَانَ لَكَ وَلَدٌ فَأَدْرَكَ وَرَجَوْتَ أَجْرَهُ، ثُمَّ مَاتَ أَكُنْتَ تَحْتَسِبُهُ؟». قَالَ: نَعَمْ، قَالَ:

«أَفَأَنْتَ خَلَقْتَهُ؟» قَالَ: قُلْتُ: بَلِ اللهُ خَلَقَهُ، قَالَ: «أَفَأَنْتَ هَدَيْتَهُ؟». قَالَ: قُلْتُ: بَلِ اللهُ هَدَاهُ، قَالَ:

«أَفَأَنْتَ كُنْتَ تَرْزُقُهُ؟»». قَالَ: قُلْتُ: بَلِ اللهُ يَرْزُقُهُ، قَالَ:

«فَكَذَلِكَ يَضَعُهُ فِي حَلَالِهِ وَجَنِّبْهُ حَرَامَهُ، فَإِنْ شَاءَ اللهُ أَحْيَاهُ وَإِنْ شَاءَ أَمَاتَهُ، وَلَكَ أَجْرُهُ» (مسند أحمد: 168/5 -سلسلة الأحاديث الصحيحة:575)

"ہر بندے پر روزانہ صدقہ کرنا لازم ہے، سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہمارے پاس تو مال و دولت ہی نہیں ہے ہم کہاں سے صدقہ کریں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ امور بھی صدقے کی قبیل سے ہی ہیں (کہ تُو یہ پڑھے:)

سبحان الله، الحمد لله، لا اله إلا الله، الله أكبر اور استغفر الله،

نیکی کرنے کا حکم دے اور برائی سے منع کرے، لوگوں کی گزر گاہ سے کانٹے، ہڈی اور پتھر کو ہٹا دے، نابینے کو راستہ دکھائے اور گونگے بہرے کو بات سمجھائے، کسی کام میں راہنمائی کے طلبگار کی اچھی طرح سے راہنمائی کرے (کہ کسی اور سے پوچھنے کی اس کو ضرورت نہ رہے)، اپنی کاوشوں کو مہمان کے لیے خاص کرے اور داد رسی کے لیے فریاد کرنے والے سے تعاون کرے، یہ تمام امور تیری جان پر صدقے کے ہی قبیل سے ہیں، (یہاں تک کہ) اپنی بیوی سے ہمبستری کرنے میں بھی تجھے ثواب ملے گا۔

سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

اپنی شہوت کی تکمیل کرنے میں ہمیں کیسے ثواب مل سکتا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر تمہارا بچہ ہو، وہ تجھے مل جائے اور تُو اس سے ثواب کی امید بھی رکھتا ہو، پھر وہ فوت ہو جائے تو کیا تُو اس سے اجر کی امید رکھے گا؟ انہوں نے جواب دیا: جی ہاں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کیا تُو نے اسے پیدا کیا تھا؟ سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا:

(نہیں) بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا فرمایا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

کیا تُو نے اسے ہدایت دی تھی؟ انہوں نے جواب دیا: (نہیں) بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہی اسے ہدایت دی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کیا اسے رزق تُو دیا کرتا تھا؟ انہوں نے عرض کیا: (نہیں) بلکہ اللہ تعالیٰ ہی اسے رزق دیا کرتا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اسی طرح وہ اس بچے کو اس کے حلال مقام پہ رکھتا ہے اور اسے حرام سے بچاتا ہے، سو اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اسے زندہ رکھے اور اگر چاہے تو اسے موت دیدے، لیکن تمہیں اس کا اجر ملے گا۔"

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«انْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا» قَالُوا:

يَا رَسُولَ اللهِ! هٰذَا يَنْصُرُهُ مَظْلُومًا، فَكَيْفَ يَنْصُرُهُ ظَالِمًا؟ قَالَ:«تَمْنَعُهُ مِنَ الظُّلْمِ».

(صحيح بخاری، كتاب المظالم، باب أعن أخاك ظالماً أو مظلوماً: 2444- سنن ترمذی، أبواب الفتن، باب منه: 2255)

"اپنے (مسلمان) بھائی کی مدد کر، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! بندہ کسی مظلوم کی مدد تو کر سکتا ہے، لیکن وہ ظالم کی مدد کیسے کرے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اس کی مدد یہ ہے کہ) تُو اسے ظلم کرنے سے روکے۔"

یعنی اگر اسے ظلم کرنے سے روکے تو یہ برائی سے منع کرنے کی وجہ سے نیکی کے کام میں تعاون ہو گا۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

إِنْ كَانَتِ الْأَمَةُ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ لَتَأْخُذُ بِيَدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَتَنْطَلِقُ بِهِ فِي حَاجَتِهَا.

(صحيح، كتاب الأدب، باب الكبر: 6072-سنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب البراءة من الكبر والتواضع: 4177)

"اگر اہلِ مدینہ میں سے ایک لونڈی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ لیا کرتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی ضرورت پوری کرنے کے لیے اس کے ساتھ بھی چل دیا کرتے تھے۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس معاملے میں چنداں عار نہیں سمجھتے تھے کہ وہ ایک لونڈی کا کہا کیوں مانیں یا اس کی ضرورت پوری کرنے کے لیے زحمت کیوں کریں، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو یکسانیت کے درس کا عملی نمونہ پیش کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم آزاد وغلام میں کوئی فرق نہ کرتے تھے اور سب کو ایک ہی درجہ دیتے اور ایک ہی نظر سے دیکھتے تھے، یہاں تک کہ اگر ایک لونڈی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی کوئی حاجت بیان کر دیتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی ضرورت پوری کرنے کے لیے بھی اس کے ساتھ چل پڑتے تھے۔

سیدنا عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خصلتِ مدیحہ کا ذکر فرماتے ہیں کہ

"وَلَا يَأْنَفُ أَنْ يَمْشِيَ مَعَ الْأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِينِ فَيَقْضِي حَاجَتَهُ."

(سنن نسائی، كتاب الجمعة، باب مايستحب من تقصير الخطبة: 1414- مستدرك حاكم: 614/2- صحيح الجامع للألباني:5005)

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیواؤں اور مساکین کے ساتھ جا کر ان کی ضرورت پوری کرنے کو ناپسند نہیں فرماتے تھے۔"

سفارش کا بیان

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿مَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِنْهَا﴾ (سورۃ النساء:85)

"جو شخص کسی نیکی یا بھلے کام کی سفارش کرے، تو اسے بھی اس کا حصہ ملے گا۔"

سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا جَاءَهُ سَائِلٌ قَالَ: «اشْفَعُوا لِتُؤْجَرُوا، وَلْيَقْضِ اللهُ عَلَى لِسَانِ نَبِيِّهِ مَا شَاءَ»(صحيح بخاری، كتاب الزكاة، باب التحريض على الصدقة والشفاعة فيها: 1432- صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب استحباب الشفاعة فيما ليس بحرام: 2627)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کوئی مانگنے والا آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: سفارش کر دیا کرو، تاکہ تمہیں اجر سے نوازا جائے اور اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبان پر وہی فیصلہ کرتے ہیں جو وہ چاہتا ہے۔"

یعنی ہونا تو وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہوتا ہے مگر سفارش کر دینے سے سفارش کرنے والا اجر وثواب کا حقدار بن جاتا ہے۔

☆☆☆

لوگوں کی ضروریات پوری کرنا

قال أبو داود الطيالسي:

كنا عند شعبة فجاء سليمان بن المغيرة يبكي وقال: مات حماري وذهبت مني الجمعة وذهبت حوائجي ، قال : بكم أخذته ؟ قال : بثلاثة دنانير . قال شعبة: فعندي ثلاثة دنانير ، والله ما أملك غيرها ، ثم دفعها إليه .

امام ابو داؤد طیالسی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ہم محدث شعبہ رحمہ اللہ کے پاس بیٹھے تھے کہ سلیمان بن مغیرہ رحمہ اللہ روتے ہوئے آئے اور کہنے لگے: میرا گدھا مر گیا ہے، تو میرا جمعہ بھی ضائع ہو گیا اور ضروریات بھی پوری نہیں کر پا رہا۔ امام شعبہ رحمہ اللہ نے پوچھا:

گدھا کتنے میں خریدا تھا؟ کہا: تین دینار میں۔

امام شعبہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

میرے پاس یہ تین دینار ہیں اور ان کے سوا کچھ بھی موجود نہیں۔ پھر وہ دینار سلیمان کو دے دیے۔

(سیر اعلام النبلاء:7/211)

☆☆☆

امام عبداللہ بن غالب رحمہ اللہ کو دفن کیا گیا، تو ان کی قبر کی مٹی سے کستوری کی خوشبو پھوٹ پڑی۔ کسی نے خواب میں انھیں دیکھا تو اس کے متعلق پوچھا۔ فرمایا: وہ تلاوتِ قرآن اور (روزے کی) پیاس کی خوشبو ہے۔" (حلیۃ الاولیاء:6/248)

☆☆☆☆



حدیث نمبر:44

عَنْ أَبِي عَمْرٍو الشَّيْبَانِيِّ وَاسْمُهُ سَعْدُ بْنُ إِيَاسٍ قَالَ : حَدَّثَنِي صَاحِبُ هَذِهِ الدَّارِ وَأَشَارَ بِيَدِهِ إِلَى دَارِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رضي الله عَنْه ؛ قَالَ:

«سَأَلْتُ النَّبِيَّ صلّى الله عليه وسلّم : أَيُّ الْعَمَلِ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ؟ قَالَ:

الصَّلاةُ عَلَى وَقْتِهَا. قُلْتُ : ثُمَّ أَيُّ؟ قَالَ:بِرُّ الْوَالِدَيْنِ، قُلْتُ ثُمَّ أَيُّ؟ قَالَ:

الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، قَالَ : حَدَّثَنِي بِهِنَّ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَلَوْ اسْتَزَدْتُهُ لَزَادَنِي».

[رواه البخاري، كتاب مواقيت الصلاة، باب فضل الصلاة لوقتها، برقم 527، بلفظه، ومسلم، كتاب الإيمان، باب بيان كون الإيمان بالله تعالى أفضل الأعمال، برقم 39- (85)]

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ

سیدنا ابو عمرو شیبانی سے روایت ہے ان کا نام سعد بن ایاس رحمہ اللہ ہے کہا کہ مجھے اس گھر والے نے حدیث بیان کی اور اشارہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے گھر کی طرف کیا انہوں نے کہا کہ

میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند ہے؟ فرمایا وقت پر نماز پڑھنا میں نے کہا پھر کون سا؟ فرمایا:

والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا، میں نے کہا پھر کون سا؟ فرمایا:

اللہ کی راہ میں جہاد کرنا، کہا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ یہ باتیں بتائیں اور اگر میں آپ سے زیادہ دریافت کرتا تو آپ مجھے زیادہ بتاتے۔(بخاری و مسلم)

حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی

1:دَارُ:گھر۔

2:أَي :کون سا۔

3:أَحَبُّ :سب سے زیادہ پسندیدہ۔

4:الصَّلَاةُ :نماز۔

5: عَلَىٰ وَقْتِهَا :اپنے وقت پر۔

6: بِرُّ الْوَالِدَيْنِ : والدین کے ساتھ نیکی، حسن سلوک۔

7: اَلْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ :اللہ کی راہ میں جہاد۔

8: اِسْتَزَدْتُهُ:میں آپ سے زیادہ طلب کرتا۔

9: لَزَادَنِيْ:آپ مجھے زیادہ بتادیتے۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام

1۔تابعی کا یہ کہنا کہ صحابیِ رسول نے مجھے حدیث بیان کی۔

2۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ تعالیٰ کی محبت کے سب سے زیادہ متلاشی اور حریص تھے۔

3۔صحابہ و تابعین حدیث کو دین میں اسی طرح حجت سمجھتے تھے جس طرح قران مجید کو۔

4۔وقت پر نماز پڑھنا اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ پسندیدہ عمل ہے۔نمازوں کے اوقات مقرر ہیں ان مقرر اوقات میں جماعت کا وقت مقامی لوگ مقرر کرتے ہیں جب کسی نماز کا جماعت کا وقت مقرر ہو جائے تو آس پاس کے تمام لوگوں کو مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنی چاہیے کیونکہ راجح قول کے مطابق باجماعت نماز بھی فرض ہے جس طرح نماز فرض ہے۔

5۔والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا اللہ تعالیٰ کو پسند آتا ہے۔اور حسن سلوک سے پیش آنا فرائض میں سے ہے۔

6۔اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ ہر عمل کی شرائط اور طریقہ کار شریعت نے واضح کیا ہے ان کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

7۔مسئلہ مختصر اور جامع الفاظ میں بتانا چاہیے اس سے سننے والے کو یاد آسانی سے رہتا ہے۔

8۔جتنا کوئی پوچھے صرف اتنا ہی بتایا جائے تو نفسیاتی اعتبار سے اس کے نتائج بہتر ثابت ہوتے ہیں۔

9۔نیک اعمال بھی ایک درجہ میں نہیں ہیں بلکہ ان میں تفاوت پایا جاتا ہے۔ مختلف مواقعوں پر نبی کریم ﷺ نے بعض اعمال کو بعض پر ترجیح دی ہے بعض دفعہ یہ حالات اور مخاطب پر بھی منحصر ہوتا ہے رسول اللہ ﷺ بہت حکیم تھے بعض دفعہ آپ لوگوں میں بعض اعمال میں ہلکی کوتاہی یا مستقبل میں کوتاہی ہونے کے اندیشے کی وجہ سے بعض اعمال کو بعض پر فضیلت دیتے اور آپ کی ہر بات ہمارے لیے دین ہے۔

10۔نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بہت محبت کرتے اور نرمی سے پیش آتے تھے جیسا کہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ

اگر میں زیادہ پوچھتا تو آپ زیادہ بتاتے۔اس میں حاکم، جماعتوں اور اداروں کے امراء و ناظمین اور اسی طرح کسی بھی گروہ کے سربراہ حتی کہ گھر کے سربراہ

کے لیے بہترین راہنمائی ہے کہ اپنے ماتحت لوگوں کے ساتھ محبت کرے اور نرمی سے پیش آئے۔

12۔ استاذ کا شاگرد کے سوالات کے جوابات احسن انداز سے دینا۔ جیسے نبی ﷺ نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آئے۔

13۔ شاگرد استاذ سے بہت زیادہ سوال نہ کرے۔ جیسے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے زیادہ بار نہیں پوچھا حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم علم کے بہت زیادہ حریص تھے۔

14۔ ایک عمل دوسرے عمل سے اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے فضیلت لے جاتا ہے۔

15۔ اللہ تعالیٰ کی صفات جلیلہ میں سے ایک صفت محبت بھی ہے۔

حدیث نمبر:45

عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عَنْها قَالَتْ:

«لَقَدْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُصَلِّي الْفَجْرَ، فَتَشْهَدُ مَعَهُ نِسَاءٌ مِنْ الْمُؤْمِنَاتِ، مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوطِهِنَّ ثُمَّ يَرْجِعْنَ إلَى بُيُوتِهِنَّ مَا يَعْرِفُهُنَّ أَحَدٌ مِنْ الْغَلَسِ».

[رواه البخاري، كتاب الصلاة، باب في كم تصلي المرأة في الثياب، برقم 372، وكتاب مواقيت الصلاة، باب وقت الفجر، برقم 578، ومسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب استحباب التبكير بالصبح في أول وقتها، وهو التغليس، وبيان قدر القراءة فيها، برقم 645]

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز پڑھاتے مومن خواتین بھی اپنی چادریں لپیٹے ہوئے آپ کے ساتھ نماز میں حاضر ہوتیں پھر اپنے گھروں کو لوٹتیں تو انہیں اندھیرے کی وجہ سے کوئی بھی پہچان نہ سکتا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی

1: يُصَلِّي الْفَجْرَ : فجر کی نماز پڑھتے / پڑھاتے۔

2: تَشْهَدُ مَعَهُ نِسَاءٌ: آپ کے ساتھ خواتین حاضر ہوتیں۔

3: الْمُؤْمِنَاتِ : مومن عورتیں۔

4: مُتَلَفِّعَاتٌ: لپٹی ہوئیں۔

5: بِمُرُوْطِهِنَّ : اپنی چادروں میں۔

6: مَا يَعْرِفُهُنَّ اَحَدُ: انہیں کوئی بھی نہ پہچان پاتا۔

7: اَلْغَلَسُ: ایسا اندھیرا جس میں صبح کی روشنی ملی ہو۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام

1۔ ہر نماز کے دو اوقات ہیں ایک اول اور دوسرا آخر تمام نمازوں کو اول وقت میں پڑھنا افضل ہے سوائے عشاء کی نماز کے عشاء کی نماز کو جتنا تاخیر سے پڑھنا ممکن ہو پڑھنا چاہیے مگر لوگوں کو مشقت میں ڈالے بغیر اور اسی طرح مسجد میں جب جماعت کا وقت مقرر ہو جائے تو پھر جماعت کے ساتھ ہی نماز پڑھنا ضروری ہے۔ اکیلے یا چند لوگ مل کر مسجد میں باقاعدہ دوسری جماعت نہیں کراسکتے ہیں البتہ اتفاقیہ ایسا ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔ ان شاء اللہ۔

2۔ باجماعت نماز کا وقت مقرر کرنے میں لوگوں کی سہولت کو مد نظر رکھنا چاہیے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھائی کیونکہ اس میں خواتین کے لیے سہولت تھی البتہ خواتین نہ بھی ہوں تب بھی فجر کو اول وقت میں پڑھنا افضل ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس کو معمول بنایا۔

فجر کا وقت صبح صادق سے شروع ہوتا ہے اور سورج کے طلوع ہونے سے پہلے تک رہتا ہے صبح صادق جب طلوع ہوتی ہے تو اس میں اندھیرا بھی ہوتا ہے اسی اندھیرے کو غلس کہتے ہیں اور یہ رات کے اندھیرے سے نسبتا کم تاریک ہوتا ہے۔

3۔ خواتین بھی مسجد میں باجماعت نماز ادا کر سکتی ہیں اگر چہ ان کے لیے افضل گھر میں نماز ہے البتہ مسجد میں آنے کی صورت میں پردے کا انتظام واہتمام کرنا اور بناؤ سنگھار نہ کرنا ضروری ہے۔

4۔ خواتین کو نماز کے فورا بعد جلدی گھر چلے جانا چاہیے جیسا کہ صحابیات کیا کرتی تھیں۔

5۔ مردوں کو فرض نماز کے فورا بعد گھر نہیں جانا چاہیے بلکہ ذکر واذکار کرنے چاہیں اور خواتین کا انتظار کرنا چاہیے تاکہ وہ پہلے چلی جائیں البتہ مردوں میں سے کسی کو جلدی جانا انتہائی ضروری ہو تو وہ جا بھی سکتا ہے البتہ یہ معمول نہیں بنانا چاہیے۔

6۔ صحابیات کا اپنے اوپر چادریں لپیٹنا معمول تھا۔ حتی کہ نماز میں بھی لہذا مومن خواتین کو رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کے مطابق صحابیات کے طرز عمل کو اپنانا چاہیے کیونکہ نبی کریم ﷺ کے زمانے کے مومن مرد و خواتین اسلام پر عمل کے اعتبار سے سب سے بہترین تھے۔

7۔ فجر کی نماز کا باجماعت اہتمام کرنا۔

☆☆☆

نبی کریم ﷺ پر درود پڑھنا

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”دعا سے پہلے، درمیان اور آخر میں نبی کریم ﷺ پر درود پڑھنا، دعا کی قبولیت کا مضبوط ترین سبب ہے۔“

(اقتضاء الصراط:2/249)

☆☆☆

بیادِ رفتگان

جامعہ مدینہ کا ایک تعلیمی سال

(خودنوشت سوانح حیات)

ڈاکٹر صہیب حسن (لندن)

(قسط 3)

8۔ اضافی تعلیمی مشاغل

1۔ میری تعلیمی اٹھان میں ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمے کا بڑا دخل ہے۔ عربی زبان میں کچھ عبور حاصل کرنے پر میں نے حسن البناء کی خود نوشت (مذکرات الدعوۃ والداعیہ) کا ترجمہ 'حسن البناء کی ڈائری' کے عنوان سے کیا تھا جو مولانا حکیم عبد الرحیم اشرف کے ہفتہ وار رسالے 'المنبر' (لائل پور) میں باقساط شائع ہوتا رہا تھا۔ اس کے بعد مصر ہی کے البہی الخولی کی کتاب 'تذکرۃ الدعاۃ' کا ترجمہ کر ڈالا تھا۔

امسال ڈائری میں سب سے پہلے جس مضمون کا ذکر ہے وہ رابطہ کے مجلہ کے ایک مقالہ بعنوان 'جاپانی عبادت گاہ کے عجائبات' کے عنوان سے ہے جو اشاعت کے لیے المنبر ہی کو ارسال کیا گیا تھا۔

2۔ جامعہ میں کئی جمعیات ترتیب دی گئی تھیں، ان میں سے ایک جمعیت صحت تھی جس کا آغاز 21 رجب (7 دسمبر 1963ء) سے ہوا۔

چند دن بعد اس ضمن میں جامعہ کے صیدلی (دوا فروش) عبد اللہ السمان کا ایک لیکچر سنا جس میں بتایا گیا تھا کہ انسان کے سانس لینے کا نظام کیسے کام کرتا ہے۔

5 شعبان (21 دسمبر) کو عشاء کے بعد جمعیت صحت کے 10 ارکان میں میں بھی شریک تھا، جب ہم نے طلبہ کے دار الاقامہ کے تمام کمروں کا دورہ کیا اور انہیں صفائی ستھرائی کے آداب سے آگاہ کیا۔ دو گھنٹے میں ہم نے تمام کمروں کا دورہ مکمل کر لیا جو کہ مختلف عمارتوں میں پھیلے ہوئے تھے۔

3۔ 21 شعبان (6 جنوری 1964ء) کو النادی العربی کا بعد از عشاء پہلا اجلاس منعقد ہوا اور اس اجلاس میں میں نے 'ہندوستان کی تاریخ کا ایک روشن پہلو' کے عنوان سے مولانا جعفر تھانیسری کی داستان حریت وجہاد کا ایک نقش ان کی کتاب 'کالاپانی' کے حوالے سے پیش کیا۔

28 شعبان (23 جنوری) کو بعد نماز عشاء النادی العربی کا دوسرا اجلاس منعقد ہوا جس میں مضامین کے تنوع کے باعث گلہائے رنگ برنگ کا جاذب نظر منظر دیکھنے اور سننے میں آیا۔ شعر خوانی، ادبی لطائف، دینی موضوعات اور تعارف دیار پر یہ اجلاس ایک کامیاب کوشش تھی۔ مؤخر الذکر موضوع میں صومالیہ کا تعارف شامل تھا۔ مصری استاد شیخ رمضان نے آثار قدیمہ کے موضوع پر بات کرتے ہوئے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے تعاقب میں فرعون کا بحر احمر میں غرق ہونا اور پھر قرآن کے بیان کے مطابق اس کی لاش کے محفوظ رہنے کی طرف توجہ دلائی۔ اسکندریہ کے راہب آریوس کا تذکرہ کیا جو رومی شہنشاہ قسطنطین کے عہد میں توحید کا داعی تھا اور جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسیحیت کا آغاز توحید ہی سے ہوا تھا لیکن بعد میں اسے تثلیث سے بدل دیا گیا تھا اور اسی بنا پر عیسائیوں نے آریوس کی شخصیت کو گوشۂ گمنامی میں دھکیلنے کی مہم جاری رکھی۔

25 شوال (9 مارچ 1964ء) کو عشاء کے بعد النادی العربی کے اجلاس میں، میں نے محمود غزنوی فاتح ہند کے عنوان پر اپنا مقالہ پڑھا۔ اس اجلاس میں شیخ ابن باز، شیخ ناظم ندوی، شیخ رمضان ابو العز بھی موجود تھے اور انہوں نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار بھی کیا۔ 10 ذوالعقدہ (23 مارچ) کو النادی العربی کے تحت کے ایک مباحثہ منعقد کیا گیا۔

دراصل یہ تجویز میری طرف سے تھی جو میں نے شیخ عطیہ محمد سالم کے سامنے پیش کی کہ کیوں نہ ہم ایک موضوع کو لے کر ایسا مباحثہ منعقد کریں جس میں ایک فریق موضوع کے حق میں اور دوسرا فریق موضوع کی مخالفت میں دلائل دے۔ شیخ عطیہ نے اس تجویز پر صاد کیا اور یہ موضوع چنا گیا: 'کیا دورانِ تعلیم ایک طالب علم کے لیے شادی کرنا مستحسن عمل ہے؟'

کوئی آٹھ طلبہ نے اس مباحثہ میں حصہ لیا، ہر متکلم کو پانچ پانچ منٹ دیے گئے۔ برادرم احسان الٰہی ظہیر نے موضوع کی موافقت میں خوب کروفر کے ساتھ دلائل دیے۔ اس کے بعد میں نے اپنی باری میں خطاب کیا (اب یہ یاد نہیں کہ موافقت میں یا مخالفت میں) اور پھر طلبہ کے خطابات کے بعد شیخ البانی، شیخ عبد الوہاب اور شیخ عطیہ محمد سالم نے اس مضمون کو مزید نکھارا۔

شیخ عطیہ نے بعنوان 'تصوف' اپنا مقالہ بھی پیش کیا جو اساتذہ کی جانب سے گرماگرم بحث کا موجب بنا۔

ایک علمی مذاکرے کا ذکر بھی کرتا چلوں:

9 رمضان (23 جنوری 1964ء): پہلے دو درسی حصوں کے بعد ایک مذاکرے میں حاضری دی جس میں شیخ رمضان ابو العز نے رمضان کے روزوں کی حکمتوں پر روشنی ڈالی۔ پچھلی قوموں میں فراعنہ سے لے کر اسلام تک روزوں کی تاریخ بیان کی۔ پھر شیخ البانی نے دمشق کے اپنے ایک تجربے کو بیان کیا کہ

انہیں ایک موقع پر چالیس دن کے لیے پابند سلاسل کر دیا گیا تھا تو انہوں نے صرف پانی پر گزارا کیا۔ اس کے مقابلے میں وہ قیدی حضرات جو روزے کے پابند نہ تھے، بہت بے صبر اور واویلا کرتے نظر آئے۔

جامعہ کے طبیب نے بھی اس مذاکرے میں حصہ لیا۔

19 رمضان: اس مبارک مہینے کے آخری عشرہ کی برکات سمیٹنے کے لیے آخری دو دروس کے بعد تعطیل کر دی گئی اور اگلے دن ہم چند ساتھی مکہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ یہاں چند اور زائرین کا اور اپنی ملاقاتوں کا تذکرہ کرتا چلوں:

7 رمضان: شیخ البانی اور شیخ محمد شریف نے ہمارے کمرے میں افطار کیا، عشاء بعد جرابوں پر مسح کرنے اور چند دوسرے مسائل پر بات چیت ہوتی رہی۔

10 رمضان: عشاء کے بعد استاد عبد الحق محروس ہماری اقامت گاہ پر تشریف لائے، ہندوستان کے مسلمانوں کی جدوجہد اور ہندوؤں کے ان پر جبر وتشدد کے واقعات کا تذکرہ ہوا۔ مسلم جماعتوں میں کیسے اتحاد قائم کیا جائے، اس پر بات چیت ہوئی۔ پھر استاد محمد شریف بھی تشریف لے آئے اور انہوں نے تحصیل علم کے بارے میں اپنی روئیداد زندگی بیان کی۔

عید کے بعد ابھی دروس شروع ہونے میں تین دن باقی تھے۔ عید کے اگلے روز ہم نے مولانا محمد علی لکھوی کے در دولت پر حاضری دی۔ مغرب کے بعد قاری عبد الفتاح سے ملاقات کی، ان کا تعلق تاشقند اور بخارا سے تھا اور ان تاتاری مہاجرین میں سے ہیں جو روسی قبضے کے بعد وہاں سے ہجرت کر آئے تھے۔ ان کی باقیات صالحات میں سے ان کے صاحبزادے عبد العزیز تھے (آج ان سطور کی تحریر کے دن یعنی 27 اکتوبر 2022ء، مدینہ منورہ سے ان کے انتقال کی خبر موصول ہوئی ہے، وہ جامعہ کے کلیۃ القرآن کے عمید تھے اور مصحف شریف کی طباعت کے ادارے کے صدر بھی رہے۔ مسجد قبا میں امامت کے فرائض انجام دیتے رہے)

عشاء کے بعد انجینئر بہجه کے ہاں اجتماع تھا جس میں کئی اساتذہ نے بھی شرکت کی، شیخ محمد محمود الصواف نے اپنی عادت کے مطابق دعوت وتبلیغ کے موضوع پر ایک پر جوش خطاب کیا۔ عید کے تیسرے دن پاکستانی سفیر سے ملاقات کے لیے جانا ہوا لیکن وہ حرم سے متصل اپنے مہمان خانے میں نہ تھے۔ پھر میں اور برادرم محمد سلفی شیخ البانی کے ہاں چلے آئے اور ان کی صحبت میں کچھ وقت گذارا۔ عید کے چوتھے دن پاکستانی سفارت خانہ (جدہ) کے ایک آفیسر تشریف لائے، کھانے پر ہمارے ہندوستانی رفقا بھی شامل تھے، اس لیے کافی رونق رہی۔

مدینہ میں آرامکو نے سعودیہ میں تیل کی دریافت کے بارے میں ایک نمائش کا اہتمام کیا تھا، عصر بعد اس نمائش کو دیکھنے کا موقع ملا۔

عصر کے بعد حرم کے مکتبہ میں جانا ہوا۔ جو کتاب مقصود تھی وہ نہ ملی، اس لیے بعض دوسری کتب کے اوراق پلٹتا رہا، جن میں ایک انگریز سیاح کی کتاب "The Real Siberia" کے عنوان سے نظر آئی۔ یہ 1902ء کی مطبوعہ تھی اور اس میں سائبیریا کی یخ فضا میں جلاوطن لوگوں کی پر مشقت زندگی کو تصاویر کی شکل میں بیان کیا گیا تھا۔

22 شوال: ہماری اقامت کی بیرونی نشست گاہ میں چالیس کے قریب طلبہ جمع ہوئے۔ مقصود ایک دوسرے سے تعارف تھا۔ ہر شخص نے اپنا اور اپنے ملک کا مختصر تعارف پیش کیا۔ یہ مجلس کوئی دو گھنٹے جاری رہی۔

26 شوال: برادرم عبد السلام کیلانی اور حافظ ثناء اللہ کی معیت میں شیخ ابن باز کے گھر جانا ہوا۔ زائرین کی ایک کثیر تعداد موجود تھی۔ شیخ رمضان ابو العز اور شیخ بدر الدین بھی وہاں موجود تھے۔

30 ذوالقعدہ (12 اپریل 1964ء): پاکستان کے دو مشہور پہلوان بھولو اور اسلم برادران جامعہ دیکھنے کے لیے تشریف لائے۔ شیخ محمد العبودی اور شیخ ابن باز سے ملاقات کی اور پھر ہمارے کمرے میں طلبہ کے ساتھ نشست رہی۔ ہمارے ہم نشین ساتھی عبد الرحمن ناصر انہیں مدعو کرنے میں پیش پیش تھے۔ ان کے ایک ساتھی پہلوان نے قرآن کی تلاوت کی اور بہت خوب قراءت کی۔ جامعہ کے بیرونی دروازے کے ساتھ انہوں نے تصاویر لیں۔ شیوخ سے ملاقات کا تفصیلی حال برادرم محمد لقمان سلفی نے اپنی کتاب کاروانِ حیات میں بیان کیا ہے جو انٹرنیٹ پر دستیاب ہے۔

1۔ ذوالحجہ: جاپانی نو مسلم طالب علم سعید کے والد سے ملاقات ہوئی (یہ غالباً اس سے اگلے سال کی بات ہے کہ جب میں متأہل ہونے کی بنا پر مدینہ شہر منتقل ہو چکا تھا کہ اس افسوسناک حادثے کا علم ہوا جو کئی طلبہ کی جانیں لے گیا، ہوا یہ کہ سعید اور چند انڈونیشی طلبہ نے مناخہ کے نزدیک ایک نو تعمیر شدہ کئی منزلہ عمارت میں چند کمرے کرائے پر لیے تھے جہاں وہ منتقل ہو چکے تھے، ایک رات یہ ساری عمارت ناقص تعمیر کی بنا پر زمین بوس ہو گئی۔ سعید اسی حادثے میں انتقال کر گئے، ہمارے ایک انڈونیشی ساتھی فرش پر آرام کر رہے تھے، ان کے دونوں طرف کتابیں اوپر نیچے رکھی ہوئی تھیں، جب چھت ان پر آن گری تو کتابوں کی وجہ سے مذکورہ ساتھی کے سینے سے اوپر رک گئی لیکن ٹانگوں پر سارا بوجھ آن پڑا۔ جب ملبہ کو ہٹایا گیا تو انہیں زندہ نکال لیا گیا۔ ایک عرصہ ہسپتال میں رہے اور شفایاب ہوئے، مجھے معلوم ہوا تھا کہ انہوں نے بعد میں کراچی جا کر جامعہ بنوریہ میں بھی تعلیم حاصل کی تھی۔)

9۔ کچھ ذاتی مشاغل کا تذکرہ

1۔ تیراکی سے کبھی واسطہ نہ پڑا تھا۔ یہاں ساتھیوں

کے ساتھ ایک دفعہ قباء کے ایک مزرعہ (فارم) میں جاناہوا، جہاں مزرعہ کے مالک نے ایک تالاب بنار کھا تھا، جس کا پانی سبزیوں، ترکاریوں وغیرہ کو دھونے کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ یہ تالاب ایک چاردیواری سے گھرا ہوا تھا۔ یہیں یہ تحریک پیدا ہوئی کہ کیوں نہ تیراکی میں کچھ شُدبُد حاصل کر لوں اور بھلا ہو ساتھیوں کا اور خاص طور پر برادرم محمد سلفی کا کہ انہوں نے مجھے اس قابل کر دیا کہ میں اعتماد کے ساتھ تالاب کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک تیر سکوں۔ ہم یہاں اکثر جمعرات کی شام چلے آتے اور تیراکی کا لطف اٹھاتے۔ ابتدا اکتوبر 1963ء سے ہونامرقوم ہے۔

احد پہاڑ کے عقب میں بھی ایک مزرعہ کا انکشاف ہوا۔ وہاں تالاب تو تھا لیکن صرف نہانے کی حد تک، ایک دو دفعہ وہاں بھی جانے کا اتفاق ہوا۔ فٹ بال، نہانے اور ٹیپ ریکارڈر سے قرآن سننے میں اچھاوقت گذر جاتا۔

2۔ ڈائری میں تین مقالات کے تحریر کیے جانے کا ذکر ہے، ایک تو کراچی سے مدینہ کے بری اور بحری سفر کی روئیداد ہے جو اردو ڈائجسٹ (لاہور) کو ستمبر میں ارسال کر دی گئی تھی، مجھے وہ پرچہ بعد میں نہ مل سکا، جس میں یہ مضمون شائع ہوا تھا، اس لیے اس روئیداد کو بعنوان 'ساحل عجم سے ساحل عرب تک' کے عنوان سے دوبارہ لکھا جو اب میری کتاب 'ابن بطوطہ ہوا کرے کوئی' کا جھومر بن چکا ہے۔

ابا جان نے ایک مضمون بابت حرمت موسیقی مجھے ارسال کیا تھا۔ ان کی خواہش تھی کہ میں یہ مضمون شیخ البانی کو دکھا کر ان کی رائے معلوم کروں چنانچہ پہلے تو میں نے اس مضمون کو عربی میں ڈھالا اور پھر شیخ البانی کے ساتھ دونشستوں میں اسے پورا کیا۔

تیسرا مضمون مولانا داؤد غزنوی (رحلت 16 دسمبر 1963ء) کی سوانح کے بارے میں تھا جس کا تذکرہ اس سے قبل میری تقاریر کے ضمن میں آ چکا ہے۔ جنوری 1964ء کو وہ 'الاعتصام' لاہور میں اشاعت کے لیے ارسال کیا گیا تھا۔

3۔ نومبر میں خوب موسلا دھار بارش ہوئی، وادی عقیق نہر کا منظر پیش کر رہی تھی، اہل مدینہ کے لیے یہ ایک حسین تجربہ تھا۔ لوگ جوق در جوق بئر عروہ کی جانب کھنچے چلے آرہے تھے، جہاں آبادی سے دور اس سہانے موسم میں پکنک منانے کا ایک بہترین موقع تھا، مدینہ ائرپورٹ کے راستے میں بھی ایک بند باندھ کر پانی کا ذخیرہ کیا گیا تھا۔ ایک شام وہاں بھی اہل مدینہ کی طرح ہم نے بھی وہاں کی لطیف ہوا اور منظر آب کی دلآویز ساعتوں کا لطف اٹھایا۔

18 نومبر کی شام ہم چند ساتھی حرم سے نکلے، عروہ پہنچے اور پھر وہاں نماز مغرب ادا کرنے کے بعد پیدل ہی جامعہ کا رخ کیا۔ یہ رجب کے ماہ کا آغاز تھا جب کہ ہلال نواپنے رخ روشن کا جلوہ دکھا کر افق سے غائب ہو چکا تھا چنانچہ تاریکی کا دور دورہ تھا، ہم جنات کے بارے میں بات چیت کرتے رہے۔ تاریکی، سناٹے اور تنہائی میں غالباً یہ موضوع ہمیں سبک رفتار رہنے پر آمادہ کرتا رہا۔

اس طرح کی سیر کی چند یادیں حجاز ریلوے کی باقیات کے ساتھ ساتھ مدینہ تک جانے کی بھی ہیں، یہ وہ ریلوے لائن ہے جسے سلطان عبدالحمید نے دمشق سے مدینہ تک حجاج کی آسانی کے لیے بچھایا تھا لیکن جسے لارنس آف عربیا کی قیادت میں عرب بدوؤں نے توڑ پھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ ہم نے اس ٹوٹی پھوٹی لائن کو جامعہ کے اس دور میں دیکھا ہے، اب تو اس کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہا۔

4۔ اب چند ذاتی اسفار کا تذکرہ کرتا چلوں:

21 رمضان: ہم چند ساتھی جن میں محمد سلفی، محمد ابراہیم خلیل بلتستانی، مشتاق ہندی اور احمد جیزانی شامل تھے، عمرے کی ادائیگی کے لیے روانہ ہوئے، ہر شخص نے کرائے کے 15 ریال ادا کیے۔ گاڑی کے اگلے ٹائر دو دفعہ پنکچر ہوئے جس کی بنا پر ڈرائیور کو 30 ریال کا گھاٹا اٹھانا پڑا۔

مکہ میں منزل اہل السنہ میں اترے اور پھر عمرہ کے لیے حرم جانا ہوا۔

اگلے دن حرم میں ڈاکٹر قیوم سعادت (طائف سے) اور منظور حسین شاہ (جدہ سے) ملاقات ہوی۔ یہ دونوں حضرات حرم مکی میں معتکف تھے۔

اس رات تہجد کے بعد حرم میں ایک شخص نے بڑی جرأت کے ساتھ خطاب کیا اور توجہ دلائی کہ مکہ جیسے مقدس شہر میں منکرات کا ظہور ہو رہا ہے جس میں شراب، تصاویر اور ریڈیو سے گانوں کی تشہیر شامل ہے۔ خطاب ختم ہوتے ہی امیر مکہ کا ایک کارندہ اسے ہانکتا ہوا امیر کے پاس لے گیا جو کہ اس وقت حرم میں موجود تھے، لیکن انہوں نے اسے تھوڑی دیر بعد جانے دیا۔

23 رمضان: میں نے ازدواجی زندگی کے بارے میں چند ایک کتب کی خریداری کی، رسالہ 'العربی' (کویت) کے چند پرانے عدد بھی حاصل کیے۔ برادرم حافظ ثناء اللہ نے عشاء کے بعد پاکستان میں اپنی بیٹی کی پیدائش کی خوشی میں ایک دعوت کا اہتمام کیا تھا جہاں ہم لوگ بھی مدعو تھے۔

24 رمضان (جمعہ): جمعہ کی نماز کے بعد شیخ محمد محمود الصواف کا خطاب سننے میں آیا۔

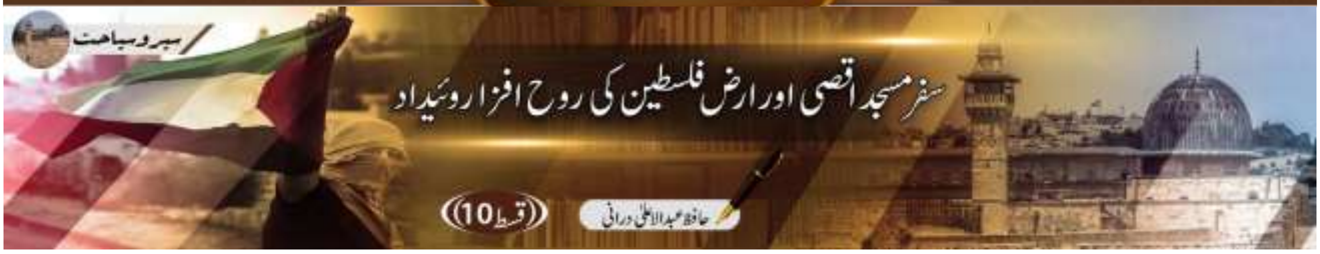
آج رات برادرم محمد سلفی نے دعوت کا اہتمام کر رکھا تھا۔

اگلے دن برادرم محمد لقمان اور خالد کمال مبارکپوری کے ساتھ مدینہ منورہ واپسی ہوئی۔

یکم شوال (بروز عید): شوال کے چاند کا سحری کے وقت اعلان کر دیا گیا تھا، ہم غسل سے فارغ ہو کر سیدھے حرم نبوی پہنچے، نماز عید ادا کی۔ دن کا باقی حصہ کھانا تیار کرنے اور دوستوں کی معیت میں عید کا لطف اٹھانے میں گذارا۔ عصر کے بعد ایک پاکستانی زائر کے ساتھ قباء کا چکر بھی لگا آئے۔

آئندہ قسط میں ہمارے دوران قیام جامعہ دوسرے حج کی تفصیلات ملاحظہ ہوں۔ (جاری ہے)

☆☆☆



شہر سدوم کا حدود اربعہ

شہر سدوم بحیرہ میت کے جنوب میں آباد تھا۔ اس کے قریب عامورہ نامی ایک بڑا شہر تھا، اس علاقے کو کتب سابقہ میں موآب بھی کہا گیا ہے۔ جبکہ تلمود کے مطابق سدوم اور عمورہ Sodom and Gomorrah کے علاوہ اس علاقے میں اور بھی چار بڑے شہر تھے۔ انہی میں سے ایک شہر ''صُغر یا ضوغر'' تھا۔ جہاں سیدنا لوط علیہ السلام بعد میں قیام پذیر رہے۔ بائبل میں اس قوم کا صدر مقام ''سدوم'' بتایا گیا ہے۔ قرآن نے ﴿الْمُؤْتَفِكَاتُ بِالْخَاطِئَةِ﴾ ''عذاب کے باعث الٹا دیے گئے شہر'' کہا ہے۔ بحیرہ مردار کے جنوبی کنارے پر جہاں صُغر واقع تھا وہاں آج کل ''غور الصافی'' نامی قصبہ آباد ہے۔ اس سے تقریباً 30 کلو میٹر مشرق میں الکرک واقع ہے۔ جو صلیبی جنگوں کے زمانے میں سلطان صلاح الدین ایوبی کا ایک مضبوط قلعہ تھا۔ بحر میت کے مغرب میں فلسطین کا مغربی کنارا اور مشرق میں اردن واقع ہے۔ اس جگہ سے بیت المقدس اٹھارہ بیس میل سے زیادہ نہیں ہے۔ قرآن کریم کی زبان میں یہ علاقہ اس ''سبیل مقیم'' عام شاہرہ، جانی پہچانی اور مستعمل گزر پر تھا جہاں سے اہل مکہ اپنے تجارتی قافلے لے کر گزرتے تھے۔ تفسیر طبری میں ہے:

"وقد كانت قريش تمر سدوم والبحر الميت فى طريقها للتجارة إلى الشام فهى ظاهرة واضحة ولهذا قال سبحانه وتعالىٰ ﴿وَإِنَّكُمْ لَتَمُرُّونَ عَلَيْهِم مُّصْبِحِينَ﴾."

سیدنا قتادۃ رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"نعم والله صباحا ومساء يطئونها وطئا من أخذ من المدينة إلى الشام أخذ على سدوم قرية قوم لوط." (الطبری:105/21)

العربیہ ڈاٹ کم۔۔۔ نیٹ کے مطابق امریکی ماہرین آثار قدیمہ کی ٹیم Popular Archaeology نے پروفیسر کولینز کی قیادت میں کئی سال جنوبی اردن کے کھنڈرات میں تحقیق کی۔

28 ستمبر کو تحقیقی ٹیم کے سربراہ نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ سدوم نامی شہر تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ اس خبر کو بڑے پیمانے پر عربی اور مغربی ذرائع میں پذیرائی حاصل ہوئی۔ ماہرین نے بتایا کہ تباہ شدہ شہر کے کھنڈرات اور کئی قدیم عمارتوں کی موجودگی سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ایک وسیع و عریض شہر تھا۔ غالباً یہ شہر 3500 سال پہلے برونز دور حکومت میں تباہی سے دوچار ہوا۔ جو جنوبی وادی اردن تک کے علاقے تک پھیلا ہوا تھا۔ تاہم برونزی سلطنت کے علاقوں کے موجودہ نقشوں میں اس شہر کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ محققین کا کہنا ہے کہ

یہ شہر دو حصوں میں منقسم دکھائی دیتا ہے۔ ایک بالائی اور دوسرا زیریں حصہ ہے۔ شہر کے گرد مٹی کی اینٹوں کی 10 میٹر اونچی اور 5.2 میٹر چوڑی دیوار بھی دریافت ہوئی ہے۔ شہر کے دروازوں کی باقیات بھی ملی ہیں۔ ایسے لگتا ہے کہ

جب یہ شہر تباہ ہوا تو اس وقت بھی لوگ روزمرہ کے معمولات میں مشغول تھے۔ یعنی زندگی اچانک ہی ختم ہو گئی تھی۔ اس شہر کی تباہی کے سبب جو خلا پیدا ہوا تھا۔ وہاں پانی اوپر آ گیا۔ اسی وجہ سے یہ علاقہ عام سمندر کی سطح سے 1300 فٹ گہرا ہے۔ دنیا کا سب سے نیچے والا منفرد علاقہ اور سمندری جھیل بن گیا۔ اس دریا کی گہرائی 1300 فٹ ہے، لمبائی 50 میل اور چوڑائی 11 میل ہے۔ اس بحر میت کا ارد گرد کے کسی سمندر دریا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کے قریب ترین سمندر بحیرہ روم ہے، خلیج عقبہ اردن سے ملتی ہے، لیکن بحر لوط سے ساڑھے تین سو کلو میٹر کا فاصلہ ہے۔ اور 1300 فٹ اس سے اونچا ہے۔

بحیرہ احمر بھی یہاں سے کافی دور اور اس سے کم از کم 1300 فٹ اونچا ہے۔ یوں یہ سمندر سمندر کم اور 351 مربع میل لمبی جھیل زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ ''ڈیڈ سی'' دنیا کا واحد سمندر ہے جس میں کوئی حیات نہیں پائی جاتی۔ اس میں مچھلی ہے نہ کوئی پودا حتی کہ اس میں کائی بھی نہیں اگتی۔ اس کے پانی میں موج بھی پیدا نہیں ہوتی۔ اس میں کشتی، موٹر بوٹ اور بحری جہاز نہیں چل سکتے کیونکہ اس میں نمکیات کی مقدار 23 سے 25 فیصد ہے عام سمندر میں یہ مقدار 4 سے 6 فیصد ہوتی ہے۔ چنانچہ بھاری نمکیات کی وجہ سے بحر میت میں زندگی ممکن ہے اور نہ کشتی رانی۔ سمندر کا پانی بخارات بن کر اڑتا رہتا ہے جس کی وجہ سے فضا میں خوابناک سی دھند چھائی رہتی ہے۔ پوری دنیا سے لوگ قدرت کے اس عجوبے کو دیکھنے آتے ہیں۔ بحر میت کی مٹی اور پانی کو جلد کے لیے شافی سمجھا جاتا ہے۔ اردن کی کئی کمپنیاں بحر میت کی نمکیات سے جلد کی مصنوعات بناتی ہیں۔ ان میں ڈیڈ سی مڈ ماسک'' زیادہ مشہور ہے۔

بحرمیت جائے عبرت ہے تماشا نہیں

خاکسار جب راستے میں احباب کو اس علاقے کے بارے میں معلومات دے رہا تھا تو سوال ہوا کہ کیا اس عذاب والے علاقے کا وزٹ جائز ہے؟ یہ بہت قدیمی سوال تھا کیونکہ جب ہم مدینہ یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھے تو مدائن صالح کی طرف ہمارے لیے ٹرپ کا اہتمام کیا گیا تھا۔ ہماری کلاس میں مصری نوجوان بھی تھے، بڑے متدین اور نیک لیکن انہوں نے وہاں جانے سے انکار کر دیا تھا۔ پھر ہم نے تحقیق کی کہ کیا ان عذاب شدہ علاقوں میں جانا چاہیے یا نہیں۔ کچھ کا موقف تھا کہ نہیں جانا چاہیے کیونکہ تبوک کو جاتے ہوئے مدائن صالح سے گزرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے تیزی کیساتھ گزرنے کی ہدایت فرمائی تھی اور وہاں ٹھہرنے سے منع فرمایا تھا۔ اس کا جواب علماء نے یوں دیا کہ مشغلے کے طور پر تو واقعی بندے کو اتنی دلیری نہیں دکھانی چاہیے لیکن بطور عبرت کے یہ سفر جائز ہے۔ انسان مستحضر رکھے کہ یہ قومیں کیوں تباہ کی گئی ہیں۔ ایسے اعمال سے انسان توبہ کرے اور ڈرتے ہوئے جائے۔ کیونکہ عبرت کا سفر اللہ تعالیٰ نے ممنوع نہیں فرمایا:

﴿ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ﴾

ان سے کہو وہ زمین میں چل پھر کر متکبرین کا انجام دیکھیں۔ قوم لوط کی تباہی کے علاقے سے گزرتے ہوئے بھی یہ لوگ عبرت حاصل نہیں کرتے۔ اسی لیے فرمایا:﴿أَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ اب بھی نہیں سوچتے۔

الشیخ فہد باحمام الدلیل الفقہی میں کہتے ہیں:

"ينبغي للزائر البحر الميت الاعتبار و تذكر قصة قوم لوط عليه السلام وعذاب الله لمن عصاه والله عز وجل يقول بعد ذكر مرور الناس بها أفلا تعقلون. أي أفلا يدلكم عقلكم بعد روية مواطن عذابهم إلى الاعتبار بحالهم و مفارقة المعاصي ولهذا قال بعد ذكر عذاب الله لقوم لوط والخسف بهم و رميهم بالسجيل﴿مُّسَوَّمَةً عِندَ رَبِّكَ ۖ وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ ﴾."

کہ یہ علاقہ ان لوگوں سے کچھ زیادہ دور بھی نہیں ہے۔ قوم لوط کی شاہرہ سے گزرنے والوں کو عبرت حاصل کرنے کا تو حکم دیا گیا ہے لیکن کہیں بھی وہاں جانے سے روکا نہیں گیا۔ اسی لیے اس علاقے کے سفر کرنے سے کسی نے منع نہیں فرمایا۔ حالانکہ یہ شاہرہ پر واقع تھا۔ بلکہ اسے﴿وَإِنَّهَا لَبِسَبِيلٍ مُّقِيمٍ﴾ فرمایا بے شک وہ لوگ شاہراہ عام سے گزرتے رہتے ہیں۔ رہا رسول اللہ ﷺ کا فعل تو آپ امت کے امام تھے۔ ہمیشہ ان کاموں سے بچاتے تھے جو اللہ کے غضب کے مستحق بن سکتے ہوں۔ آپ اللہ کے عذاب سے بہت ڈرتے تھے اور امت کو ڈراتے رہتے تھے اور ہر وقت یہ احساس بیدار رکھنا چاہتے تھے۔ تیز طوفان بادو باراں کے وقت بھی آپ کی یہی کیفیت ہو جایا کرتی تھی۔ بہر حال عبرت و فکر حاصل کرنے کے لیے اس قسم کے مقامات کا سفر ممنوع نہیں ہے۔ رب تعالیٰ کا خوف، اپنے اعمال و گناہوں کا شدت سے احساس ساتھ رہے تو اس طرح کے سفر باعث زیادتی ایمان بن جاتے ہیں۔

الشیخ باحمام نے مزید لکھا کہ

"بحر میت سمندر سے نکلنے والی پراڈکٹ کا استعمال بھی ممنوع نہیں ہے۔ اس کے پانی سے علاج بھی جائز ہے کیونکہ وہ تیزابی پانی ہے جس سے انسانی جلد کی کئی بیماریاں ٹھیک ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ نبی ﷺ نے بئرناقہ کے پانی کے استعمال کی اجازت دی ہے۔ حالانکہ وہ عذاب کا علاقہ تھا۔ بہر حال ممنوع ہونے کے لیے کوئی واضح دلیل ہونی چاہیے جو کہ موجود نہیں ہے۔" (البحر المیت الموقع الدلیل الفقہی تحت اشراف الشیخ فہد باحمام)

اسرائیل نے 1967 میں اس کے مغربی کنارے پر قبضہ کر لیا تھا یوں اس کا جنوب مشرقی علاقہ اردن اور مغربی علاقہ اسرائیل کے پاس ہے۔ بحر میت کے فلسطینی اور اردنی ساحل پر سیاحوں کے لیے سے کئی ہوٹل اور قیام گاہیں بنی ہوئی تھیں جو 1973 میں اسرائیلیوں نے حملے کر کے تباہ کر ڈالیں لیکن ان کے نشانات باقی ہیں۔

چند لمحے یہاں ٹھہر کر چند باتیں سوچنا ہیں ... قوم لوط جن گناہوں کے سبب تباہ ہو کر جہان والوں کے لیے نشان عبرت بن گئی ان میں سب سے نمایاں کام مردوں کے ساتھ بد فعلی (Homosexuality) کا تھا۔ دنیا کی کسی آسمانی کتاب یا شریعت میں اس کی اجازت نہیں دی گئی۔ اسلام میں اس فعل سدومیت کے مرتکب کی سزا بعض فقہاء کے نزدیک یہی ہے کہ ایسے شخص کو بلند جگہ سے گرا کر پتھروں سے ہلاک کر دیا جائے۔ کیونکہ اسی فعل بد کی وجہ سے یہاں عذاب نازل ہوا۔ جہاں آج بھی اور اس کے ارد گرد میں عذاب کی نحوست دکھائی دیتی ہے۔ کہاں یہ دنیا کا خوبصورت ترین اور سرسبر و شاداب علاقہ تھا لیکن اب سوائے جائے عبرت کے کچھ بھی باقی نہیں ہے۔ برکت و رحمت کی ٹھنڈک ذرا بھی محسوس نہیں ہوتی۔ لیکن افسوس آج دنیا کے مہذب ترین کہلانے والے اور سمجھے جانے والے ممالک جن میں برطانیہ، امریکہ اور یورپ کے کئی ممالک ہیں۔ ان کے نزدیک قانونی طور اس فعل بد کو جائز قرار دے دیا گیا ہے اور یہی لعنتی مہم انسانی آزادی کے نام سے مسلمان ممالک میں بھی حلال کرنے کے لیے بھی چلائی جا رہی ہے، جو

نہایت ہی شرمناک ہے ، قانون پاس کرنے والے اداروں کو اللہ کے غضب سے ڈرنا چاہیے اور خاص طور پر جو خالص عیسائی ، یہودی یا مسلمان اراکین پارلیمنٹ ہیں انہیں یہ ملعون قانون ختم کرانے کی جدوجہد کرنی چاہیے۔ کم از کم اس مہم کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اپنے عذاب کو ٹال دے کہ کچھ تو ستارے روشن اور ایمان کے پھول مہکتے دکھائی دیں۔ بہر حال میں نے بحرمیت کے کنارے پہنچ کر رفقاء سفر کو اس علاقے کی تاریخ سے آگاہ کیا۔ اور دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی نافرمانیوں سے بچائے اور عباد الصالحین میں شامل کرے۔ شام کا جھٹپٹا تیزی سے اتر رہا تھا۔ کسی سیاحتی پوائنٹ پر جانے کا وقت نہیں تھا۔ اسی اثنا میں ایک اسرائیلی موبائل وہاں سے گزر رہی تھی۔ میں نے سوچا کہ یہ بھی تو مسلمانوں کے لیے عذاب ہی کی ایک نشانی ہے۔

اے ارحم الراحمین ، فلسطینیوں کے لیے ان سے نجات کا سامان پیدا فرمادے۔ اور کشمیر وبرما ، روہنگیا وغیرہ کے تمام مسلمانوں کو ظلم وستم سے نجات دے۔ ان اعمال سے سے بچائے جن کی پاداش میں پہلی قومیں تباہ ہوئیں اور اللہ کریم کا غضب ان پر حلال ہوا۔

اَللّٰهُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذَٰلِكَ

”اے اللہ ہمیں اپنے غصے و غضب کا نشانہ نہ بنانا اور اپنے غصے سے پہلے ہی معاف فرمادینا۔“ آمین یارب العالمین۔

”شہر اریحا“ کی سیر

بحرمیت کے مختصر سے وزٹ کے بعد واپسی کا سفر شروع ہوا اور ہمارا رخ بحرمیت سے بالکل قریبی شہر اریحا ہے۔ چند کلومیٹر کے فاصلے پر بڑی شاہراہ سے بائیں جانب ایک سڑک پر جاؤ تو۔ اریحا۔ کا سائن آ جاتا ہے۔ اریحا (انگریزی میں Jericho جریکو) فلسطینی مغربی کنارے (ضفة الغربية) کا ایک خوبصورت شہر ہے۔ جس کے بارے میں ہم نے بچپن میں بہت کچھ سنا اور بڑے ہو کر بہت کچھ پڑھا تھا۔

اریحا کا معنی خوشگوار (Fragrant) راحت والا اور خوشبودار۔

بائبل میں اسے سٹی آف پام ٹری کہا گیا ہے۔ غالباً دنیا کا سب سے قدیمی شہر یہی ہے۔ کم و بیش 9 ہزار سالہ بعض محققین کے مطابق اس سے بھی قدیم ہے۔ بائبل کے مطابق اریحا۔۔ ہیروڈیس اعظم کے دور میں اس کا سرمائی صدر مقام رہا ہے۔

یاد رہے کہ ہیروڈیس ولادت عیسوی سے چار سال قبل وہیں فوت ہوا تھا۔

1950 کی کھدائی سے ہیروڈیس کا قلعہ موجودہ شہر سے سوا میل جنوب میں دریافت ہوا ہے۔ جو رومن طرز تعمیر اور رومن عہد کی یادگار ہے۔ اس شہر کے گرد حفاظتی دیوار تعمیر کی گئی جو دنیا کی سب سے قدیمی اور مضبوط حفاظتی دیوار کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے کچھ حصے اب بھی موجود ہیں۔ پتھر کا ایک بہت بڑا مینار بھی یہاں موجود ہے۔ جو اس شہر کی قدامت ظاہر کرتا ہے۔

دینی تاریخ کے لحاظ سے بھی یہ شہر بڑی اہمیت کا حال ہے۔ یعنی یہ وہ پہلا شہر ہے جس میں قوم موسیٰ کو سب سے پہلے داخل ہونے کا حکم دیا گیا تھا۔ یا یوں کہہ لیجئے اسی شہر سے قوم موسیٰ کی فتوحات کا آغاز ہوا تھا۔ قصہ یوں ہے کہ

سیدنا موسیٰ علیہ السلام فرعون کی غرقابی کے بعد اپنی قوم کو لے کر جزیرہ نمائے سینا میں ”ارواء، ایلیم کے راستے کوہ سینا کی طرف آئے اور ایک سال سے کچھ زائد مدت تک اس مقام پر ٹھہرے رہے۔ یہیں سے توریت کے بیشتر احکام آپ پر نازل ہوئے۔ پھر آپ کو حکم ہوا کہ بنی اسرائیل کو لے کر فلسطین جاؤ اور اسے فتح کر لو کہ وہ تمہاری میراث میں دیا گیا ہے۔ چنانچہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لیے ہوئے تبعیر اور حصیرات کے راستے دشت فاران تشریف لائے۔ اور وہاں سے آپ نے بنی اسرائیل کے 12 سرداروں کو فلسطین کا دورہ کرنے کے لیے بھیجا تاکہ وہاں کے حالات معلوم کر کے آئیں۔ یہ لوگ چالیس دن کا دورہ کر کے وہاں سے واپس آئے اور قادس کے مقام پر انہوں نے قوم کے مجمع عام میں بیان کیا کہ واقعی وہاں دودھ اور شہد کی نہریں بہتی ہیں۔ لیکن جو لوگ وہاں بسے ہوئے ہیں وہ زور آور ہیں۔ ہم ان پر حملہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ یہ بیان سن کر سارا مجمع چیخ اٹھا کہ ”اے کاش ہم مصر ہی میں مر جاتے۔ یا کاش ہم اسی بیابان ہی میں مر جائیں۔“

ان کی بزدلی دیکھ کر دو سردار یوشع بن نون اور کالب اٹھے اور انہوں نے قوم کی بزدلی پر لعن طعن کی اور اللہ سے ڈرنے کی نصیحت کی۔ آخر کار اللہ کا غضب بھڑکا اور اس نے فیصلہ فرمادیا کہ

”اب یوشع اور کالب کے سوا اس قوم کے بالغ مردوں میں سے کوئی بھی اس سرزمین میں داخل نہ ہونے پائے گا۔ یہ قوم چالیس سال تک بے خانماں پھرتی رہے گی۔“

چنانچہ اس فیصلہ خداوندی کے مطابق بنی اسرائیل کو دشت فاران سے شرق اردن تک پہنچتے پہنچتے پورے 38 برس لگ گئے۔ اس دور میں وہ سب لوگ مر کھپ گئے جو جوانی کی عمر میں مصر سے نکلے تھے۔ شرق اردن فتح کرنے کے بعد سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا بھی انتقال ہو گیا اسکے بعد یوشع بن نون کے عہد خلافت میں بنی اسرائیل اس قابل ہوئے کہ فلسطین کو فتح کر سکیں۔ سیدنا یوشع نے مشرق کی جانب سے دریائے اردن کو پار کر کے ”شہر اریحا“ کو فتح کر لیا۔ یہ فلسطین

کا پہلا شہر تھا جو بنی اسرائیل کے قبضے میں آیا۔ پھر ایک قلیل مدت میں پورا فلسطین فتح ہو گیا۔ (تفہیم القرآن: 460/1)

یہ تفصیلات بائبل کی کتاب گنتی، استثناء اور یشوع میں ملیں گی اور قرآن کریم کی سورہ مائدہ آیت نمبر 21 تا 26 میں اسی کا ذکر کیا گیا ہے۔ جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے قوم سے کہا:

﴿يَا قَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِكُمْ فَتَنقَلِبُوا خَاسِرِينَ﴾

”اے میری قوم! اس مقدس سرزمین میں داخل ہو جائو جو اللہ نے تمہارے لیے لکھی ہوئی ہے، وہاں جانے سے پیٹھ نہ پھیرو ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔“

لیکن بنی اسرائیل کی بزدلی اور تن آسانی حملے کرنے میں آڑے آئی۔ اور بولے:

﴿قَالُوا يَا مُوسَىٰ إِنَّ فِيهَا قَوْمًا جَبَّارِينَ وَإِنَّا لَن نَّدْخُلَهَا حَتَّىٰ يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِن يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِنَّا دَاخِلُونَ 0 قَالَ رَجُلَانِ مِنَ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَإِنَّكُمْ غَالِبُونَ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ0 قَالُوا يَا مُوسَىٰ إِنَّا لَن نَّدْخُلَهَا أَبَدًا مَّا دَامُوا فِيهَا ۖ فَاذْهَبْ أَنتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ 0 قَالَ رَبِّ إِنِّي لَا أَمْلِكُ إِلَّا نَفْسِي وَأَخِي ۖ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ 0 قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ ۛ أَرْبَعِينَ سَنَةً ۛ يَتِيهُونَ فِي الْأَرْضِ ۚ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ﴾

”اے موسیٰ وہاں کے لوگ تو بہت زور آور ہیں، اس لیے ہم اس وقت تک وہاں نہ جائیں گے جب تک وہ لوگ خود بخود وہاں سے نکل نہ جائیں۔ اور جب وہ خود بخود نکل جائیں گے تو پھر ہمیں حاضر سمجھو۔ تب دو خدا ترس آدمیوں نے، جن پر اللہ کا فضل تھا کھڑے ہو کر کہا کہ تم ان کا مقابلہ کرتے ہوئے شہر کے دروازے میں گھس جاؤ، دروازے میں قدم رکھتے ہی یقیناً تم غالب آ جاؤ گے اور تم اگر مومن ہو تو تمہیں اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ قوم نے جواب دیا کہ اے موسیٰ! جب تک وہ وہاں ہیں تب تک ہم ہرگز وہاں نہ جائیں گے، لہٰذا تم اور تمہارا رب جا کر دونوں ہی لڑو، ہم یہیں بیٹھ کر دیکھیں گے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی اے رب! مجھے اپنے اور اپنے بھائی کے سوا کسی اور پر کوئی اختیار نہیں ہے، پس تو ہم میں اور ان نافرمانوں میں جدائی کر دے۔ نتیجے میں ان سے کہا گیا کہ اب یہ 40 سال سینا کی صحرا نوردی کرتے رہیں گے۔ ارشاد ہوا کہ اب وہ سرزمین ان پر چالیس سال تک حرام رہے گی، یہ جگہ جگہ مارے مارے پھرتے رہیں گے۔ اب تم ان فاسقوں کی بدحالی پر غم زدہ نہ ہونا۔“

سیدنا موسی علیہ السلام کا انتقال تو اسی صحرا نوردی کے دوران میں ہو گیا تھا۔ لیکن ان کے بھانجے سیدنا یوشع بن نون کے دور میں حالات نے پلٹا کھایا اور ان کی قیادت میں جب فلسطین فتح ہوا تو سب سے پہلا شہر یہی اریحا تھا۔ ارض فلسطین کو ارض مقدسہ کہا گیا ہے۔ اس لحاظ سے شہر اریحا شہر مقدس قرار پاتا ہے کیونکہ یہی سب سے پہلا مفتوحہ شہر بنا۔ یہیں سے بیت المقدس کا علاقہ شروع ہوتا تھا۔

ارائیں برادری کی مناسبت

اسلامی تاریخ میں بھی اس شہر کا بڑا نام ہے۔ محققین کے مطابق کہ حجاج بن یوسف کے دور میں مجاہدین کا جو قافلہ محمد بن قاسم کی قیادت میں سندھ کے جہاد میں شامل ہوا تھا۔ اس کے اکثر سپاہیوں کا تعلق فلسطین کے اس تاریخی شہر ”اریحا“ سے تھا۔ ان کی تعداد کم وبیش 6000 بتائی جاتی ہے۔ یہ لوگ ہندوستان ہی میں بس گئے اور انہی کی نسل ۔۔اریحا۔۔ کی نسبت سے ارائیں کہلائی۔

یہی وجہ ہے کہ دو برادریاں مکمل طور پر مسلم برادریاں ہیں۔ ایک اعوان اور دوسرے ارائیں۔ ان میں کوئی ہندو یا سکھ نہیں ہے کیونکہ یہ خالص مسلمان نسل سے ہیں۔ واللہ اعلم۔

جغرافیائی طور پر شہر اریحا فلسطین کے سولہ محافظات (اضلاع) میں سے ایک ہے۔ فلسطینی مغربی کنارے میں 59 کلومربع میٹر میں پھیلا ہوا یہ شہر۔ 1949 سے 1967 تک اردن کے زیر قبضہ تھا اور 1967 میں اسرائیل نے قبضہ کرلیا۔ 1994 میں اوسلو معاہدے کے تحت فلسطینی انتظامیہ کے زیر اثر آ گیا 2006 کی مردم شماری کے مطابق اس کی آبادی 20.300 ہے۔ اس میں یہودیوں کو داخل ہونے کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ داخل ہوتے وقت حفاظتی چوکی پر واضح لکھا ہے کہ

”کوئی یہودی اس شہر میں داخل نہیں ہو سکتا۔“

اور نہ کوئی ذمہ داری نہیں ہو گی۔ لیکن ہم تو بڑے فخر کے ساتھ سینہ تان کر اریحا کے اندر داخل ہوئے کہ جیسے اپنے لاہور میں داخل ہوتے ہیں۔ گویا یہ بھی ہمارا اپنا شہر ہے ایسی ہی کیفیت ہماری بیت اللحم میں داخلے کے وقت بھی ہوئی تھی۔ یہاں کی اہم پیداوار مجھول کھجور ہے، جو اپنی موٹائی، لمبائی اور لذت میں مشہور ہے۔ کھجوروں کے بازار میں اس کی قیمت بھی زیادہ ہے لیکن اس معروف مجھول کھجور کی وجہ تسمیہ سمجھ میں نہیں آئی۔ تن آسان لوگوں نے اس کا نام مجھول رکھا جبکہ اصل نام شاید مہجول ہے۔ واللہ اعلم

☆☆☆



حضرت الامام رحمہ اللہ نے اپنے شاگرد رشید امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے کہا:

ويحك يايعقوب! لاتكتب عنى كل ماأقول. فإننا بشر. نقول القول اليوم، ونرجع القول غداً، ونرجع عنه بعد غد. (الانتقاء فی فضائل الثلاثۃ الائمۃ الفقہاء، لابن عبد البر: ص 145)

"اے یعقوب! میری زبان سے نکلی ہوئی ہر بات مت لکھا کرو، اس لئے کہ ہم بھی ایک انسان ہیں، آج ہم ایک بات کہتے ہیں اور کل اس سے رجوع کر لیتے ہیں، کل کی کہی ہوئی بات سے پرسوں رجوع کر لیتے ہیں۔"

آپ نے اہل علم وفتوی کو تاکید فرمائی:

حرام على من لم يعرف دليلى أن يفتى بقولى. (المیزان الکبری للشعرانی، ص38)

"جس شخص کو میری کہی ہوئی بات کی دلیل کا علم نہیں، اس پر حرام ہے کہ وہ میرے قول پر فتوی جاری کرے۔"

اور آپ نے اپنا مذہب ان الفاظ میں بیان فرمایا:

إذا صح الحديث فهو مذهبى

"جب حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو وہی میرا مذہب ہے۔"

یعنی حدیث صحیح کے مقابلے میں کسی کی رائے کو اہمیت حاصل نہیں۔ میری رائے بھی حدیث کے خلاف ہو تو وہ بھی قابل التفات نہیں بلکہ ترک کے لائق ہے اور حدیث صحیح ہی اصل چیز ہے اور یہی میرا مذہب ہے۔

آپ جب فتوی دیتے تو فرماتے:

یہ نعمان بن ثابت کی رائے ہے ہمارے خیال میں یہ بہت اچھی رائے ہے۔ جو اس سے بہتر بات پیش کرے اس کی بات کو ترجیح ہے۔ (اعلام الموقعین: 1/75)

آپ حدیث کو کتنی اہمیت دیتے تھے؟ اس کا اندازہ امام ابو یوسف کے اس واقعہ سے لگا سکتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کا مسلک یہ بیان کیا گیا ہے کہ وقف کا فروخت کرنا جائز ہے، حالانکہ حدیث میں واضح طور پر موجود ہے:

لا يباع اصلها و لا يوهب و لا يورث (بخاری: رقم الحدیث 2772)۔ وقف نہ فروخت کیا جائے، اور نہ ورثے میں تقسیم کیا جائے۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں:

لو بلغ أبا حنيفة هذا الحديث لقال به، ورجع عن بيع الوقف (سبل السلام شرح بلوغ المرام للصنعانی: 3/86)

"اگر امام ابو حنیفہ کو یہ حدیث مل جاتی تو اس کے مطابق ہی موقف اختیار کرتے اور اپنے بیع وقف کے مسلک سے رجوع کر لیتے۔"

قاضی صدر الدین ابن ابی العز حنفی لکھتے ہیں:

وقد قال أبو يوسف لما رجع عن قوله فى مقدار الصاع وعن صدقه الخضروات وغيرها: لو رأى صا حبى ما رأيت لرجع كما رجعت (الاتباع لابن ابی العز الحنفی: ص28 مکتبہ سلفیہ لاہور)

"جب امام ابو یوسف نے صاع کی مقدار اور سبزیوں میں زکوۃ وغیرہ کے مسائل میں رجوع کر لیا تو فرمایا: اگر میرے استاد کے علم میں بھی وہ چیز آجاتی جو میرے علم میں آئی تو وہ بھی اسی طرح رجوع کر لیتے جیسے میں نے رجوع کر لیا۔"

گویا امام ابو حنیفہؒ نے اپنے تلامذہ کی تربیت ایسے انداز میں فرمائی کہ قرآن وحدیث کے نصوص کا احترام اور ان کا تسلیم کرنا ضروری ہے اور یوں ان کو فقہی جمود سے بچنے کا درس دیا۔ یہی وجہ ہے کہ امام صاحبؒ کے خصوصی تلامذہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے اپنے استاد سے بے شمار مسائل میں اختلاف کیا، یہاں تک کہ ان کی دوگنی دو تہائی بیان کی گئی ہے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

استنكف أبو يوسف و محمد من اتباعه فى ثلثى مذ هبه (المنخول من تعلیقات الاصول للغزالی۔ دار الفکر بتحقیق محمد حسن ھیتو)

"ان دونوں شاگردوں نے اپنے امام کے مذہب کے دو تہائی مسائل کا انکار کیا ہے۔"

اور یہ اختلاف فروعی مسائل تک محدود نہیں بلکہ یہ اختلاف جناب عبد الحی لکھنوی کے بقول اصول میں بھی کچھ کم نہیں چنانچہ وہ مقدمہ، عمدۃ الرعایہ، میں تحریر فرماتے ہیں:

فإن مخالفتهما لأبى حنيفة فى الأصول غير قليلة حتى قال الإما م الغزا لى: إنهما خا لفا أبا حنيفة فى ثلثى مذ هبه (مقدمہ عمدۃ الرعایہ فی حل شرح الوقایہ: ص8۔ مطبع مجتبائی دہلی)

"یعنی دونوں شاگردوں کی اپنے استاد امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے اصول میں مخالفت بھی کچھ کم نہیں، حتی کہ امام غزالی رحمہ اللہ نے کہا کہ انہوں نے اپنے استاد کے مذہب سے دو تہائی مسائل میں اختلاف کیا ہے۔"

مذکورہ تفصیل سے واضح ہے کہ امام ابو حنیفہ اور ان کے تلامذہ خاص ہر گز اس فقہی جمود کے قائل نہیں ہیں جو ان کے بعد ان کے اکثر پیرو کاروں اور نام لیواؤں میں پیدا ہوا۔ نہ انہوں نے احادیث سے انحراف وگریز کے لئے خاص اصول وضع اور استعمال کئے جیسا کہ بعد کے اعتزال سے متاثر فقہائے حنفیہ نے وضع کئے اور ان کی بنیاد پر بہت سی احادیث کو رد کر دیا جیسا کہ آگے اس کی کچھ ضروری تفصیل آئے گی۔

انہی کے نقش قدم پر چلنے والے وہ بعض علماء ہیں جنہوں نے احادیث صیحہ کی بنیاد پر اپنی فقہ حنفی کے بہت سے مسائل یا بعض کو چھوڑ دیا اور احادیث کو ترجیح دی، جیسے جناب عبد الحی لکھنوی وغیرہ ہیں جس کی تفصیل جناب ارشاد الحق اثری کی کتاب، مسلک احناف اور مولانا عبد الحی لکھنوی، میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ انہوں نے ایک دو نہیں، بیسیوں مسائل میں حنفی فقہ کو چھوڑ کر اس مسلک اور رائے کو اختیار کیا جس کا اثبات احادیث سے ہوتا ہے۔ اس طرح اور بھی بعض حنفی علماء ہیں جنہوں نے یہی موقف اختیار کیا اور حدیث کو اور اس سے ثابت شدہ مسئلے کو ترجیح دی۔ ان میں ایک نہایت نمایاں مثال شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (ف 1176ھ) کی بھی ہے جن کے طرز فکر وعمل کو اپنانے کا دیوبندی احناف بھی دعوی کرتے ہیں لیکن یہ ان کا صرف دعوی ہی ہے۔ اگر واقعی ایسا ہوتا تو اہل حدیث اور احناف کے درمیان فقہی اختلافات کی خلیج یا شدت کم ہو جاتی۔ شاہ صاحب کے موقف کو ہم اپنی بات کی وضاحت کے لئے یہاں اپنے الفاظ اور سیاق میں بیان کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

علاوہ ازیں شاہ صاحبؒ نے اپنی مخلصانہ مساعی سے جہاں ایک طرف فقہی جمود کو توڑا، وہاں دوسری طرف اس کو کم کرنے کے لئے ایسے فکری و نظریاتی خطوط کی بھی نشان دہی فرمائی ہے جنہیں اختیار کر کے فقہی اختلافات کی شدت ووسعت اور حزبی تعصب کو کم کیا جاسکتا ہے۔ انہوں نے اس کے لئے ایک تجویز تو یہ پیش کی ہے کہ فقہی اختلافات بالخصوص حنفی شافعی اختلافات قرآن وحدیث کے ظواہر پر پیش کئے جائیں، جو ان کے مطابق یا ان کے اقرب ہوں انہیں تسلیم کر لیا جائے اور جو فقہی مسائل قرآن وحدیث کے خلاف ہوں انہیں ترک کر دیا جائے۔ دوسری تجویز یہ پیش کی کہ فقہائے اہل حدیث اور فقہائے اہل الرائے دونوں اعتدال کا راستہ اختیار کریں۔ اول الذکر گروہ قرآن وحدیث کے ظواہر کو تقدس کا اتنا درجہ نہ دے کہ تفقہ بالکل نظر انداز ہو جائے، جیسے اہل ظاہر (امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ) نے کیا، اور ثانی الذکر گروہ اقوال آئمہ کو اتنی اہمیت نہ دے کہ قرآن و حدیث کے نصوص سے بھی وہ فائق تر ہو جائیں، بلکہ اس کے بین بین راستہ اختیار کیا جائے۔ فقہائے کرام کی فقہی کاوشوں سے بھی استفادہ کیا جائے لیکن نصوص صریحہ کا بھی پورا احترام و تقدس ملحوظ خاطر رہے۔ اسے وہ محققین فقہائے اہل حدیث کا طریقہ بتلاتے ہیں اور اسی کی تلقین انہوں نے بہ شد ومد اور بہ تکرار واصرار کی ہے۔ اس سلسلے کی چند عبارتیں پیش خدمت ہیں۔

اپنی مشہور تالیف التفہیمات الالٰہیہ میں عقاید کے بارے میں کتاب وسنت، قدمائے اہل سنت اور سلف کے منہاج کی پابندی کی وصیت کرتے ہوئے فروعات کے بارے میں شاہ ولی اللہ محدثؒ لکھتے ہیں:

و در فروع پیروی علمائے محد ثین کبار که جا مع با شند میان فقه و حدیث کردن و دا ئماً تفر یعا ت فقهیه رابر کتاب و سنت عرض نمو دن آ نچه موا فق با شد در حیز قبول آ وردن و الا کالائے بد بر یش خا وندد ا دن ۔ امت راہیچ وقت از عر ض مجتهدات بر کتاب و سنت استغناء حا صل نیست و سخت متقشفه فقهاء که تقلید عالمے را دست آ ویز سا خته تتبع سنت را تر ک کر ده اند نشنید ن و به ایشان التفات نه کر دن و قر ب خدا جستن بدو ریء اینان. (تفہیمات، طبع جدید:2/288)

"فروع میں علمائے محدثین کی پیروی کرنا جو حدیث وفقہ کے جامع ہیں۔ مسائل فقہیہ کو کتاب وسنت پر پیش کرنا، جو ان کے موافق ہوں انہیں قبول کرنا اور مخالف کو پھینک دینا۔ امت کے لئے اس کے سوا چارہ نہیں کہ وہ ہر وقت اجتہادی مسائل کو کتاب وسنت پر پیش کرتی رہے اور وہ خشک فقہاء جنہوں نے تقلید کو ضروری قرار دے رکھا ہے اور سنت کی تلاش و جستجو کو ترک کیا ہوا ہے، ان کی باتیں نہ سننا، نہ ان کی طرف نظر التفات کرنا، ان کے بغیر ہی حق تعالی کے قرب کی جستجو کرنا۔"

التفہیمات الالٰہیہ میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

أنه أقول لهؤلاء المسمين أنفسهم بالفقهاء الجامدين على التقليد يبلغهم الحديث من أحاديث النبي ﷺ بإسناد صحيح، وقد ذهب إليه جمع عظيم من الفقهاء المتقدمين، ولا يمنعهم إلا التقليد. لمن لميذهب إليه، و لهؤلا الظاهرية المنكرين للفقهاء الذين هم طراز حملة العلم. وآئمة أهل الدين إنهم جميعاً على سفا هة وسخافة رأى و ضلالة و إن الحق أمر بين بين. (طبع جدید شاہ ولی اللہ اکیڈیمی حیدر آباد سندھ: 277/1)

"میں ان سے کہتا ہوں جو خود کو فقہاء سمجھتے ہیں اور ان میں انتہائی تقلیدی جمود آچکا ہے کہ جب ان کو امت میں معمول بہ صحیح حدیث پہنچتی ہے تو اس پر عمل سے انہیں صرف تقلید جامد روک دیتی ہے اور بالکل ظاہر

پرست حضرات سے بھی کہتا ہوں جو ایسے فقہاء کا انکار کرتے ہیں جو حاملین علم اور آئمہ دین ہیں کہ یہ دونوں فریق غلط راہ پر رہے ہیں۔ یہ کم فہمی کی راہ ہے اور معاملہ (حق) ان دونوں کے بین بین ہے۔"

کچھ آگے چل کر شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:

وأشهد لله بالله انه كفر با لله أن يعتقد فى رجل من ا لآئمة ممن يخطى و يصيب ان الله كتب عليّ اتباعه حتماً، و ان الواجب عليّ هو الذى يو جبه هذا الرجل عليّ، ولكن الشر يعة الحقة قد ثبتت قبل هذا الرجل بزمان، قد وعاها العلماء، وأداها الرواة. وحكم بها الفقهاء، وإنما اتفق الناس على تقليد العلماء على معنى انهم رواة الشر يعة عن النبى ﷺ انهم علموا ما لم نعلم ، و انهم اشتغلوا بالعلم ما لم نشتغل، فلذلك قلدوا العلماء، فلو أن حديثاً صح، و شهد بصحته المحدثون، و عمل به طوائف، فظهر فيه الأمر، ثم لم يحمل به هو، لأن متبوعه لم يقل به، فهذا هو الضلال البعيد.(حوالہ مذکور:ص279)

"میں اللہ کے لئے اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ امت میں سے کسی آدمی کے متعلق، جس سے خطاو صواب دونوں باتوں کا احتمال ہے، یہ اعتقاد رکھنا کہ اللہ نے اس کی اطاعت مجھ پر فرض کر دی ہے اور میرے لئے صرف وہی چیز واجب ہے جسے وہ واجب قرار دے، کفر ہے، کیونکہ شریعت اس شخص سے مدتوں پہلے مو جود ہے، جسے علماء نے یاد کیا، راویوں نے بیان کیا اور فقہاء نے اس کے مطابق فیصلے کئے۔ لوگوں نے علماء کی تقلید پر صرف اس لئے اتفاق کیا کہ وہ نبی کریم ﷺ سے شریعت کے راوی ہیں، انہیں جو علم تھا ہمیں نہیں اور علم ان کا مشغلہ تھا، جب کہ ہمارا ویسا مشغلہ نہیں۔ لیکن اگر حدیث صحیح ہو، محدثین نے اس کی صحت کی گواہی دی ہو، لوگوں نے اس پر عمل کیا اور معاملہ واضح ہو چکا ہو، پھر اس حدیث پر اس لئے عمل نہ کیا جائے کہ اس کے امام یا متبوع نے اس کے مطابق فتوی نہیں دیا، تو یہ بہت بڑی گمراہی ہے۔"

نیز شاہ ولی اللہ محدث فرماتے ہیں:

ونشأ فى قلبى داعية جهة الملأ الاعلى، تفصيلها ان مذهبي أبى حنيفة و الشا فعى هما مشهوران فى الأمة المرحومة. وهما أكثر المذاهب تابعاً وتصنيفاً، وكان جمهور الفقهاء والمحدثين والمفسرين و المتكلمين والصوفية متمذهبين بمذهب الشافعى، وجمهور الملوك و عا مة اليونان متمذهبين بمذهب أبى حنيفة، و ان الحق الموافق لعلوم الملأ الاعلى اليوم أن يجعلا كمذهب واحد، يعرضان على الكتب المدونة فى حديث النبى ﷺ من الفريقين، فما كا ن موا فقاً بها يبقى، و مالم يوجد له أصل يسقط، و الثابت منها بعد النقد أن توافق بعضه بعضاً فلذلك الذى يعض عليه با لنواجذ، و ان تخالف تجعل المسئلة على قولين، و يصح العمل عليهما أو يكون من قبل اختلاف أحرف القرآن أو على الرخصة و العزيمة أو يكونان طر يقين للخروج من المضيق، كتعدد الكفارات أو يكو ن أخذا بالمباحين المستويين. لا يعد و الأمر هذه الو جوه إن شاء الله تعالى. (التفہیمات الالٰہیہ: 1/280، حیدر آباد سندھ۔1967ء)

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے:

"ملا علی کی طرف سے میرے دل میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے مذاہب کو جو امت میں مشہور ہیں، ان دونوں کو یکجا کر دیا جائے (جس کا طریقہ یہ ہے کہ) دونوں مذاہب کے فقہاء و علماء کی مرتبہ کتابوں کو حدیث نبوی پر پیش کیا جائے، جو مسائل حدیث کے موافق ہوں، قبول کر لئے جائیں اور جن کی اصل حدیث میں نہ ہو، انہیں ساقط کر دیا جائے۔ اس طرح نقد و نظر (جانچ پڑتال) کے بعد جن مسائل میں اتفاق ہو جائے ان پر مضبوطی سے عمل کیا جائے۔ اگر اختلاف ہو تو وہاں دو رائیں تصور کر لی جائیں اور دونوں پر عمل صحیح سمجھا جائے۔"

التفہیمات جلد دوم میں اس کی بایں طور وضاحت فرماتے ہیں:

ونحن نأخذ من الفروع ما اتفق عليه العلماء، لاسيما هاتان الفرقتان العظيمتان الحنفية و الشا فعية، وخصوصاً فى الطهارة و الصلوة، فإن لم يشير الاتفاق، واختلفوا، فناخذ بما يشهد له ظاهر الحديث و معروفه ونحن لا نزدرى أحداً من العلماء، فالكل طالبوا الحق، ولانعتقد العصمة فى أحد غير النبى ﷺ و الميزان فى معرفة الخير والشر الكتاب على تأويله الصريح، ومعروف السنة، لااجتهاد العلماء و لا أقوال الصوفية.(التفہیمات الالٰہیہ:2/242۔243)

اس عبارت کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

فروعات میں وہ چیزیں لے لی جائیں جن پر علماء متفق ہو جائیں۔ بالخصوص حنفی، شافعی فقہ سے نماز اور طہارت کے متفقہ مسائل لے لئے جائیں۔ اور اگر اتفاق نہ ہو سکے تو پھر ظاہر حدیث اور معروف حدیث کے مطابق عمل کیا جائے۔ ہم کسی صاحب علم کی تحقیر

نہیں کرتے سب حق کے طالب تھے، تاہم نبی اکرم ﷺ کے علاوہ ہم کسی اور کی عصمت کا اعتقاد نہیں رکھتے، اور خیر و شر کی معرفت کے لئے میزان ہمارے نزدیک اللہ کی کتاب اور معرفت سنت ہی ہے نہ کہ علما کے اجتہاد اور صوفیہ کے اقوال۔

الانصاف اور عقد الجید میں بھی شاہ ولی اللہ نے اس موضوع پر بڑی عمدہ اور مفید بحثیں کی ہیں، بلکہ یہ دونوں کتابیں خاص اسی موضوع پر ہیں اور فقہی اختلاف کا ایک معتدل حل پیش کرتی ہیں۔

ان اقتباسات سے دو باتیں بہر حال واضح ہیں:

1۔ انکے نزدیک نصوص قرآن و حدیث دیگر تمام اجتہادات و اقوال آئمہ سے زیادہ اہم ہیں۔

2۔ وہ فقہی اختلافات اور تقلیدی جمود پر مطمئن نہیں بلکہ وہ اس کو ختم کرنے کی شدید آرزو اور خواہش رکھتے تھے اور ان دونوں باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تقلیدی اور فقہی جمود کو سخت ناپسند کرتے تھے۔

3۔ شاہ ولی اللہ ان خود ساختہ فقہی اصولوں کے بھی خلاف ہیں جن کی بنا پر غالی مقلدین نے بہت سی احادیث صحیحہ مسترد کر دی ہیں چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

ہر حامل مذہبے برائے مذہب خود اصول درست کرد و حنفیاں برائے احکام مذہب خود اصلے چند تراشیده اندمثل الخاص مبين فلا يلحقه البيان۔ العام قطعي كالخاص، المفهوم المخالف غير معتبر، الترجيح بكثر الرواة غير معتبر، الزيادة على الكتاب نسخ، إلى غير ذلك. (قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین: ص176)

"ہر مذہب والے نے اپنے مذہب کے (اثبات کے) لئے اصول بنالئے، احناف نے اپنے مذہب کی پختگی کے لئے کچھ اصول تراش لئے ہیں (جن کی روشنی میں وہ ہر چیز کو دیکھتے ہیں) مثلاً خاص مبین ہے، اسے بیان کی ضرورت نہیں۔ عام بھی خاص کی طرح قطعی الدلالۃ ہے۔ مفہوم مخالف معتبر نہیں، کثرت رواۃ کی وجہ سے ترجیح معتبر نہیں، کتاب اللہ پر زیادتی، کتاب کا نسخ ہے، وغیرہ۔"

ان خود ساختہ اصولوں کی بنیاد پر بہت سے لوگوں نے کتنی ہی احادیث صحیحہ و قویہ کو رد کر دیا ہے جس کی تفصیل بڑی لمبی اور دل خراش ہے شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ جلد1 ص160، اور الانصاف میں بھی ان وضع کردہ اصولوں اور ان کی بنا پر احادیث کو رد کرنے کا ذکر کیا ہے۔

ہم نے یہاں شاہ صاحب کا یہ اقتباس صرف اس پہلو کی وضاحت کے لئے پیش کیا ہے کہ وہ ایسے تقلیدی جمود کے سخت خلاف ہیں جس کی دعوت مقلدین دیتے ہیں۔

4۔ شاہ صاحب کی فقہی وسعت ان کے اس طرز عمل سے بھی واضح ہوتی ہے جو انہوں نے، اجتہاد، کے سلسلے میں اختیار فرمایا ہے۔ شاہ صاحب نے مختلف مقامات پر اجتہاد اور استنباط مسائل کے دو طریقے بیان فرمائے ہیں، چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

با ید دا نست که سلف استنبا ط مسا ئل و فتاوی بر دو و جه بو دند ۔ یکے آ نکه قر آ ن و حد یث و آ ثار صحا به جمع می کر دند و ازاں جا استنبا ط می نمو دند ایں ا صل را ہ محد ثین است و د یگر آ نکه قوا عد کلیه که جمع از آ ئمه تنقیح و تہذ یب آ ں کر ده اند یاد گیر ند بے ملا حظهٔ ایں ما خذ آ نہا پس ہر مسئله که وارد می شد جوا ب آ ں از ہما ں قواعد طلب می کر دند و ایں طر یقه اصل راه فقهاء است و غا لب بر بعض سلف طر یقهء او لی بود و بر بعض آ خر طر یقه ثا نیه (مصفی شرح موطا، طبع قدیم۔ ج1 ص4)

"سلف میں استنباط مسائل (اجتہاد) کے دو طریق تھے۔

پہلا یہ کہ

قرآن و حدیث اور آثار صحابہ جمع کئے گئے اور ان کی روشنی میں آمدہ مسائل پر غور کیا گیا۔ یہ محدثین (اہل الحدیث) کا طریقہ تھا۔

دوسرا طریقہ یہ کہ

(قرآن و حدیث اور آثار صحابہ کی بجائے) آئمہ کے منقح اور مہذب قواعد کلیہ کی روشنی میں پیش آمدہ مسائل کا حل تلاش کیا گیا اور اصل ماخذ (قرآن و حدیث) کی طرف توجہ کی ضرورت ہی نہ سمجھی گئی۔ یہ فقہاء کا طریقہ ہے۔ سلف میں سے ایک گروہ پہلے طریق کا پابند ہے اور ایک دوسرے طریق کا۔"

اور عقد الجید میں شاہ صاحب نے اہل حدیث (محدثین) کے بھی دو گروہوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک محققین فقہائے اہل حدیث اور دوسرے ظاہری اہل حدیث اور اہل ظواہر کو محققین اہل حدیث سے الگ قرار دیا ہے۔ ظاہریوں کی علامت یہ بتلائی ہے کہ وہ قیاس و اجماع کے قائل نہیں۔ چنانچہ شاہ صاحب محققین فقہائے اہل حدیث کے طرز اجتہاد اور استنباط مسائل کے ذکر کے بعد لکھتے ہیں:

فهذا طريقة المحققين من فقهاء المحدثين، وقليل ماهم، وهم غير الظاهرين من أهل الحديث الذين لا يقولون بالقياس و الاجماع. (عقد الجید مع ترجمہ سلک مروارید۔ ص44 طبع مجتبائی دہلی)

"محققین فقہائے اہل حدیث محدثین کا یہ طریقہ تھا اور ایسے کم لوگ ہیں اور یہ لوگ علیحدہ ہیں ظاہری اہل حدیث سے جو قیاس کے قائل ہیں نہ اجماع کے۔"

☆☆☆